ISBN 978-969-9266-04-1

ماہنامہ

معارفِ رضا کراچی

جلد: 33 شمارہ: 02

فروری ۲۰۱۳ء / ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ

حُسنِ ترتیب

ہدیہ فی شمارہ: 40 روپے

سالانہ: عام ڈاک سے: -/400 روپے رجسٹرڈ ڈاک سے: -/800 روپے

بیرونِ ممالک: 40 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214۔ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

25- جاپان مینشن، ریگل، صدر، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔ فون: 32725150-21-92+ فیکس: 32732369-21-92+

ای میل: imamahmadraza@gmail.com، ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

اپنی بات

محافلِ میلاد النبی ﷺ کے عصری تقاضے

پروفیسر دلاور خاں

عالمِ اسلام کے ہمہ گیر زوال کے دور میں مفکر اسلام امام سواد اعظم اہلِ سنّت احمد رضا خاں قادری، ملت اسلامیہ کے مردہ جسم میں عشق مصطفےٰ ﷺ کے پیغام کے ذریعے نئی روح پھونک کر اسے تباہی و ہلاکت سے بچانے کی فکر میں تھے۔ اسلام دشمن طاقتیں ایک مربوط نظام اور واضح لائحہ عمل اختیار کر کے مسلمانوں کے قلوب سے اسی عشقِ رسول کے جذبے کو نکالنے کی علمی، فکری تدبیریں کر رہی تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ اگر مسلمانوں کے دل حضور ﷺ کے جذبۂ عشق سے خالی ہوگئے تو پھر دنیا کا کوئی نظام اور طاقت انہیں ترقی کی راہ پر گامزن نہیں کر سکتا، کیوں کہ عشقِ مصطفےٰ ﷺ ان کی طاقت کا سرچشمہ ہے۔ بقول علامہ اقبال:

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے بالواسطہ اور بلاواسطہ حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کو ہدف بنایا۔ حضور ﷺ کی عظمت اور کمالات کا انکار کیا۔ ان طاغوتی قوتوں پر مسلمانوں کے ایک خاص طبقے نے بھی اپنا حصہ ڈال کر اس کے مقاصد کی تکمیل کی راہیں ہموار کیں۔ اس طرح ذات پاک مصطفےٰ ﷺ کو خارجی اور داخلی چیلنج کا سامنا ہے۔ اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے محافل میلاد النبی ﷺ ایک مؤثر ذریعہ اور ہتھیار ہے۔

لیکن یہ ہتھیار اس وقت مؤثر ثابت ہو سکتا ہے جب ہمیں ذات پاک مصطفےٰ ﷺ کے خلاف سازشوں کا ادراک ہو۔ ان کے اہداف اور لائحہ عمل معلوم ہوں۔ تا کہ اسی شدت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جاسکے ورنہ یہ محافل میلاد صرف ایک رسم بن کر رہ جائیں گی۔

ان محافل کے بڑے بڑے موضوعات: محبتِ رسول ﷺ، اطاعتِ رسول ﷺ، فضائلِ رسول ﷺ، شمائلِ رسول ﷺ، دفاعِ رسول۔

عقیدت و محبت کی چاشنی اور تعلیم و تکریم کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے مسائل کو سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں حل کیا جائے، حضور ﷺ کے حسنِ اخلاق، حسنِ سیاست، حسنِ معیشت، حسنِ معاشرت، حسنِ عدالت کی روشنی خوب سے خوب تر انداز میں پھیلائی جائے تا کہ معاشرے کا ہر فرد حضور ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو عظیم مصلح و رہنما، عظیم مدبر، منتظم، عادل قاضی و منصف، بے مثال قانون ساز، مثالی سپہ سالار، دیانت دار تاجر، مثالی شہری، معیاری خاوند و سربراہِ خاندان، کامیاب سربراہ ریاست کے روپ میں دیکھ کر اپنی اپنی حیثیت میں سیرتِ رسول پر عشق و محبت کے ساتھ عمل پیرا ہو سکے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

محافلِ میلاد کے لیے عصرِ حاضر میں دو بڑے چیلنجز کا سامنا ہے: ایک ہے دفاعِ رسول ﷺ اور دوسرا اطاعتِ رسول ﷺ۔ ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہمیں محافل میلاد کو درپیش جدید مسائل اور چیلنجز سے نبٹنے کے لیے مؤثر لائحہ عمل کی ضرورت ہے:

(۱) متعصب مستشرقین کے اہداف و مقاصد کا مطالعہ کر کے اس کا علمی و تحقیقی انداز میں جواب دیا جائے۔

(۲) سیرت النبی پر تحقیق کے لیے بین لاقوامی ادارہ قائم کیا جائے۔

(۳) میلاد النبی پر بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کیا جائے۔

(۴) ہر سال امتِ مسلمہ کو درپیش ایک مسئلے کو موضوع سیرت طیبہ کی روشنی میں حل کیا جائے۔

(۵) اسکول، کالج اور جامعات میں سرکاری سطح پر محافلِ میلاد النبی ﷺ کا انعقاد کیا جائے۔

(۶) سیرتِ طیبہ پر لکھی ہوئی کتب کی اشاعت کا بندوبست کیا جائے۔

(۷) سطور مضمون "سیرت طیبہ" نصاب میں شامل کیا جائے۔

(۸) عصری مسائل اور سیرت طیبہ کے عنوان پر سیمینار کا انعقاد کیا جائے۔

(۹) سیرت طیبہ کے مؤثر ابلاغ کے لیے تحقیقی جرنل جاری کیا جائے۔

(۱۰) ہر سرکاری محکمے میں محفلِ میلاد کو لازمی قرار دیا جائے۔

(۱۱) سیرت طیبہ پر تحقیق کرنے والے اسکالرز کی حوصلہ افزائی کی جائے

(۱۲) دینی مدارس کے نصاب میں "سیرت طیبہ" بطور مضمون شامل کیا جائے

مفکر اسلام امت کے ہر درد کا درماں عشق رسول ﷺ میں تلاش کرتے اور عشق رسول اور اطاعت رسول ہی کو قوم و ملت کی ترقی کی اساس قرار دیتے ہیں۔ امام سواد اعظم اہلِ سنّت کے پیغامِ عشق رسول کو اگر ہم معاشرے کے ہر ادارے کا مرکزی نکتہ بنانے میں کامیاب ہوگئے تو امن، ترقی اور خوش حالی ہمارے قدم چومے گی۔

لوٹ جا عہد نبوی سمت اے رفتار جہاں میری پس ماندگی کو پھر ارتقا درکار ہے

کنزالایمان اور ڈاکٹر اوج کا مقالہ

ششم قسط

پروفیسر دلاور خاں

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز کراچی یونیورسٹی کے ڈین کے منصب پر فائز ہیں۔ آپ نے پروفیسر ڈاکٹر اختر سعید صدیقی کی زیر نگرانی مقالہ ''قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ'' مکمل کر کے ۲۰۰۵ء میں پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔ موصوف کے مقالے میں مفکر اسلام امام سوادِ اعظم اہل سنّت احمد رضا خاں محدث حنفی قادری برکاتی کا شہرۂ آفاق ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' شامل ہے۔ مقالے کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ڈاکٹر اوج کنزالایمان کے فنی، علمی محاسن کی گیرائی اور گہرائی سے قلتِ علم کی وجہ سے نابلد رہے ہیں، جس سے اہلِ علم میں اس مقالے کی ثقاہت اور صاحب مقالہ کی علمی ساخت متاثر ہوئی۔ انصاف اور تحقیق کے تقاضوں کے تحت ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے جوائنٹ سیکریٹری پروفیسر دلاور خاں زید مجدہ نے مذکورہ مقالے کا معروضی انداز سے مطالعہ کیا ہے اور مقالے میں پائے جانے والے اصولِ تحقیق سے انحراف اور غیر متوازن پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے۔ کنزالایمان کے محاسن کسی مصلحت کی نذر ہو گئے تھے اس پر علمی اور فنی پہلوؤں سے گفتگو کی ہے، جسے قسط وار شائع کیا جا رہا ہے تا کہ موصوف نے جو زیادتی کنزالایمان سے اپنے مقالے میں جہاں جہاں برتی ہے تحقیقی انداز میں اس کا ازالہ ہو سکے اور ان سات تراجم پر کنزالایمان کی علمی وفنی برتری ثابت ہو۔ یہ کوئی مجادلہ اور مناظرہ نہیں بلکہ علمی بحث ہے، جس کا آغاز خود ڈاکٹر اوج نے اپنے مقالے کی اشاعت سے کیا ہے۔ اس کے باوجود ڈاکٹر اوج اپنا موقف پیش کرنا چاہیں تو ہم معارفِ رضا میں انہیں خوش آمدید کہیں گے۔ (سید وجاہت رسول قادری، مدیر اعلیٰ معارفِ رضا)

وَالضُّحٰی ۙ وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ؕ (سورۃ: الضحیٰ، آیت نمبر: ۱ تا ۳)

(۱) قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی اور قسم ہے رات کی، جب کہ وہ سکوت طاری کر دے کہ تیرا پروردگار تجھ سے نہ تو دستبردار ہوا اور نہ ناراض ہوا۔ (ابو منصور)

(۲) قسم دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی، جب چھا جائے۔ نہ رخصت کر دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ بیزار ہوا۔ (محمود الحسن)

(۳) چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔ (احمد رضا)

(۴) قسم ہے روزِ روشن کی اور رات کی جب کہ وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے۔ (اے نبی) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ (مودودی)

(۵) قسم ہے ضحیٰ کی اور قسم ہے رات کی، جب وہ چھا جاتی ہے۔ تیرے پروردگار نے تجھ کو چھوڑا نہیں نہ تجھ پر خفا ہوا ہے۔ (امرتسری)

(۶) قسم ہے روزِ روشن کی اور رات کی، جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے۔ نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا۔ (پیر کرم شاہ)

(۷) قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی، جب وہ قرار پکڑے کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو چھوڑا ہے اور نہ آپ سے بیزار ہوا ہے۔ (عبد الماجد)

(۸) شاہد ہے وقت چاشت اور شاہد ہے رات، جب پر سکون ہو جاتی ہے کہ تیرے خداوند نے نہ تجھے چھوڑا اور نہ تجھ سے بیزار ہوا۔ (اصلاحی)

ڈاکٹر اوج لکھتے ہیں ہیں: ''کہ قلٰی کے معنیٰ جو ناراض ہونے، بے زار ہونے، خفا ہونے اور مکروہ جاننے کے کیے گئے ہیں، ان میں خفا ہونے اور ناراض ہونے کے الفاظ ہماری زبان میں اتنے برے نہیں سمجھے جاتے جتنے بیزار ہونے اور مکروہ جاننے کے الفاظ سمجھے جاتے ہیں، نیز پھر بیزار ہونے اور مکروہ جاننے میں، موخر الذکر لفظ مقابلۃً زیادہ سنگین اور سخت سمجھا جاتا ہے۔ معلوم ہو کہ یہ لفظ مولانا احمد رضا خاں کے ہاں استعمال کیا گیا ہے جس کی نسبت ہمارے نزدیک حضور ﷺ کی طرف راجع کرنا کچھ غیر مناسب سا لگتا ہے۔'' (م: الف ۲۰۶)

موصوف نے مکروہ سے متعلق بلا دلیل نتیجہ: ''سنگین اور سخت'' اخذ کیا ہے۔ بات یہاں پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ ڈاکٹر اوج ایک اور قدم آگے بڑھتے ہوئے اس کا اطلاق مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے پر کرتے ہیں۔ یقیناً یہ عمل اصولِ تحقیق کے خلاف ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ کہ دلائل سے، مکروہ، کے معنیٰ کا تعین کیا جائے جب معنیٰ کا تعین ہو جائے تو اس کے بعد فیصلہ کیا جائے۔ اس لیے چند دلائل ملاحظہ ہوں:

(۱) مکروہ: ناپسندیدہ (فیروز اللغات)

(۲) المکروہ: ناپسندیدہ چیز (المنجد)

(۳) عربی میں کہا جاتا ہے عادلی من فلان مکروہ: مجھے ناپسندیدہ بات پہنچی۔

(۴) حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا: لایطیل الجلوس لان اطالۃ عند المریض مکروہ (فتح الکبیر بحوالہ عیادت کیوں اور کیسے) مریض کی عیادت کی خاطر مریض کے پاس جانے والا

اس کے پاس دیر تک نہ بیٹھے کیوں کہ مریض کے پاس زیادہ دیر تک ٹھہرنا ناپسندیدہ اور ناخوشگوار بات ہے۔

پس ان دلائل سے ثابت ہوا کہ مکروہ کے معنٰی ناپسندیدہ اور ناخوشگوار ہے۔ یہ لفظ ناراض، بیزار اور خفا ہونے کے مقابلے میں زیادہ سنگین اور سخت نہیں جبکہ ڈاکٹر اوج اسے زیادہ سنگین اور سخت قرار دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر اوج مولانا احمد رضا خاں پر بڑی ڈھٹائی سے سے یہ الزام لگا رہے ہیں کہ بیزار ہونے اور مکروہ جاننے میں مؤخر الذکر لفظ (مکروہ جاننا) مقابلۃً زیادہ سنگین اور سخت سمجھا جاتا ہے۔ معلوم کہ یہ لفظ مولانا احمد رضا کے ہاں استعمال کیا گیا ہے جس کی نسبت ہمارے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف راجع کرنا کچھ غیر مناسب ہے۔(م؛الف۲۰۶)

موصوف کے الزام کا ماحصل یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے "مکروہ جانا" کی نسبت حضور کی طرف راجع کی ہے۔ جو غیر مناسب ہے اس مرحلے پر ڈاکٹر اوج اور قارئین کی خدمتِ عالیہ میں گزارش ہے کہ ایک مرتبہ پھر مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے کو ملاحظہ فرمایئں وَمَا قَلٰی اور نہ مکروہ جانا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مولانا احمد رضا خاں نے "مکروہ" جانا کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی ہے؟ جیسا کہ موصوف کا خام خیال ہے یا "مکروہ" کے حضور ﷺ سے منسوب ہونے کی نفی کی ہے؟ مولانا اپنے ترجمے میں میں "مکروہ جاننے" کی تردید فرما رہے ہیں (نہ مکروہ جانا)۔ دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے نبیِ کریم ﷺ سے اپنائیت اور محبت کا اظہار فرمایا کہ تمہارا کوئی کام ناپسندیدہ اور ناخوشگوار نہیں جانا۔ اے نبی کریم! اپنے دل میں یہ خیال تک نہ لاؤ کہ وحی کا انقطاع تمہارے کسی ناپسندیدہ اور ناخوش گوار عمل کی وجہ سے ہے بلکہ وحی کے رک جانے میں کئی حکمتیں ہیں۔ نامکروہ (ناپسندیدہ اور ناخوش گوار نہیں جانا) نہیں جانا کے مفہوم کو مثبت جملے میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا قول و فعل اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ اور خوش گوار ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے کی یہی خوبصورتی اور معنویت ہے جو دیگر تراجم میں مفقود ہے، جب کہ ڈاکٹر اوج اپنی تحقیق کے نئے پن میں مولانا احمد رضا خاں پر الزام لگانے سے دریغ نہیں کرتے جو نہ صرف باطل اور لایعنی ہے بلکہ اصولِ تحقیق کے منافی اور ایک محقق کی شان کے خلاف بھی ہے۔

بقول شاعر الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

(اللیل:۱تا۳)

وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰۤی ۙ (سورۃ:اللیل، آیت: ۱تا۳)

(۱) قسم ہے رات، جب چھا جاتی ہے اور قسم ہے دن کی، جب روشن ہوتا ہے اور قسم ہے جس نے نر اور مادہ پیدا کیے۔(امر تسری)

(۲) قسم ہے رات کی، جب کہ وہ چھا جائے اور دن کی جب وہ روشن ہو اور قسم ہے اس (نور) کی جس نے نر اور مادہ پیدا کیے۔(ابو منصور)

(۳) اور رات کی قسم جب چھائے اور دن کی جب چمکے اور اس کی جس نے نر و مادہ بنائے۔(احمد رضا)

(۴) قسم رات کی، جب چھا جائے اور دن کی جب روشن ہو اور اس کی جو اس نے پیدا کیے نر اور مادہ۔(محمود الحسن)

(۵) قسم ہے رات کی، جب وہ ڈھانپ لے اور دن کی جب وہ روشن ہو جائے اور اس کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔(عبد الماجد)

(۶) قسم ہے رات کی، جب وہ (ہر چیز پر) چھا جائے اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے اور اس کی قسم جس نے پیدا کیا نر اور مادہ کو۔(پیر کرم شاہ الازہری)

(۷) قسم ہے رات کی، جب کہ وہ چھا جائے اور دن کی، جب کہ وہ روشن ہو، اور اس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔(مودودی)

(۸) شاہد ہے رات، جبکہ چھا جاتی ہے اور دن کی جب چمک اٹھتا ہے اور شاہد ہے نر و مادہ کی آفرینش۔(اصلاحی)

ڈاکٹر اوج لکھتے ہیں کہ یہاں بھی سورۃ الشمس آیات (۵۔۶۔۷) والا معاملہ ہے یعنی محمود الحسن اور امین اصلاحی نے ما مصدریہ کے تحت ترجمہ کیا ہے جبکہ دیگر نے ما موصولہ کے تحت۔ ما موصولہ اور ما مصدریہ کی بحث پانچویں قسط میں کی جاچکی ہے جسے وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ آیت کے ضمن میں ڈاکٹر اوج کا یہ تحقیقی تجزیہ کہ محمود الحسن اور امین اصلاحی نے مصدریہ کے تحت ترجمہ کیا ہے یہاں موصوف سے تسامح ہو رہا ہے۔ مولانا محمود الحسن نے ترجمہ ما مصدریہ کے تحت کیا ہی نہیں، بلکہ انہوں نے ما موصولہ کے تحت کیا ہے۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو: "اور اس کی جو اس نے پیدا کیے نر اور مادہ" اس ترجے

میں "جو" حرف موصول ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ماموصولہ کے تحت ترجمہ کیا ہے نہ کہ مامصدریہ کے تحت۔ ڈاکٹر اوج نے اس آیت کے ترجمے کو مولانا محمود الحسن کے سورۃ الشمس کے ترجمے پر قیاس کیا ہے کیوں کہ وہاں مامصدریہ کے تحت ترجمہ ہے جب کہ اس آیت میں مولانا محمود الحسن نے ماموصولہ کے تحت ترجمہ کیا ہے۔ حیرت ہے کہ ڈاکٹر اوج ماموصولہ کے تحت کیے گئے ترجمے کو مامصدریہ کا ترجمہ قرار دے رہے ہیں۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ ـــــ الخ (سُوْرَةُ الْبَيِّنَة، آیت:۱۴)

(۱) اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے (قرآن کا) انکار کیا وہ اپنی ہٹ سے باز آنے والے نہیں ہیں۔ (اصلاحی)

(۲) اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے (وہ اپنے کفر سے) باز آنے والے نہ تھے۔ (مودودی)

(۳) جن لوگوں نے اہلِ کتاب میں کفر کیا (وہ) اور مشرکین (کفر سے) الگ ہونے والے نہ تھے۔ (الازہری)

(۴) اہل کتاب میں سے کافر لوگ اور مشرکین ہٹنے والے نہ تھے۔ (امر تسری)

(۵) جو لوگ کافر تھے اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے۔ وہ باز آنے والے نہ تھے۔ (عبد الماجد)

(۶) اہل کتاب اور مشرکین میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیا کیا باز آنے والے نہ تھے۔ (ابو منصور)

(۷) نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں اہل کتاب اور مشرک باز آنے والے۔ (محمود الحسن)

(۸) کتابی کافر اور مشرک اپنا دین چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ (احمد رضا)

ڈاکٹر اوج لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا تراجم دو طرح سے کیے گئے ہیں: طرحِ اوّل میں وہ تراجم ہیں جو من تبعیضیہ کے تحت ہیں۔ اس قبیل میں اصلاحی، مودودی، الازہری، امر تسری، عبد الماجد اور ابو منصور شامل ہیں۔ جب کہ طرحِ دوم کے تراجم جو من بیانیہ کے تحت کیے گئے ہیں اس میں محمود الحسن اور احمد رضا شامل ہیں۔۔۔ واضح ہو کہ گو یہاں من تبعیضیہ اور من تفسیریہ غرض دونوں طرح کی گنجائش موجود ہے۔۔۔ راقم کے نزدیک اس آیت میں من تبعیضیہ کے تحت کیا گیا ترجمہ زیادہ قریبِ صواب لگتا ہے، کیوں کہ ظاہر ہے مشرکین میں سے اکثر اور اہلِ کتاب میں سے بعض لوگ بالآخر ایمان لے آئے تھے۔ لہٰذا ترجمہ کے ان دو گروہوں میں سے کوئی بھی ایمان لانے والا نہیں، کیسے صحیح قرار دیا جا سکتا ہے؟ (م، الف: ص ۲۱۴-۲۱۳)

یہاں ڈاکٹر اوج مغالطے کا شکار ہیں۔ چند حقائق ملاحظہ ہوں:

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں "مذکورہ آیات میں ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ ان دو گروہوں میں کفر و شرک اتنا راسخ ہو چکا ہے اب دوسرے درجے کی کوشش انھیں اس (کفر و شرک) کی دلدل سے نہیں نکال سکتی۔ کوئی عالم کوئی زاہد کوئی مصلح اب انہیں راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔ جن تاریکیوں نے ان کا محاصرہ کر رکھا ہے کوئی معمولی روشنی اس محاصرے کو نہیں توڑ سکتی ان کی ہدایت کے لیے تو کسی ایسی قوی اور تابندہ دلیل کی ضرورت ہے جس کی کرنیں تاریکیوں کا سینہ چاک کر کے رکھ دیں، شکوک و شبہات کے غبار کو یک سر ناپید کر دے، طلوعِ آفتاب سے جس طرح زمین کا گوشہ گوشہ چمکنے لگتا ہے ہدایت کا کوئی ایسا آفتاب طلوع ہو جو ان کے قلوب و اذہان کے کونے کونے میں اجالا کر دے۔۔۔ دوسری آیت میں بتا دیا کہ وہ رسول ﷺ کی ذاتِ برکات ہے۔ (ضیاء القرآن)

علامہ عزیز الحق کوثر ندوی لکھتے ہیں:

"منکرینِ حق خواہ اہلِ کتاب ہوں یا دیگر مشرک اقوام سب کے سب اپنی باطل روش میں اتنے اٹل ہو چکے تھے کہ وہ راہِ ہدایت پر آ ہی نہیں سکتے تھے۔" (جواہر البیان فی تفسیر القرآن: جلدِ دوم، ص ۱۶۲)

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"البینہ کی آیت نمبر ا میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہلِ کتاب اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہیں جب تک وہ آخری نبی مبعوث نہ ہو جائے یہاں اس آیت میں اہلِ کتاب کے قول کی حکایت ہے۔"

آپ مزید لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک امام رازی کا یہ جواب درست ہے کہ البینہ کی آیت نمبر ا میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اہلِ کتاب اور مشرکین کا مجموعہ اپنے کفر کو ترک نہیں کرے گا حتیٰ کہ حجت واضح آجائے۔" (تبیان القرآن، جلد ۱۲، ص ۹۰۶)

ڈاکٹر اوج اپنے مقالے میں دو تفسیری اقتباسات نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

(۱) مولانا مودودی لکھتے ہیں: "اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان میں سے

کچھ لوگ کفر میں مبتلا نہ تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ کفر میں مبتلا ہونے والے دو گروہ تھے: ایک اہلِ کتاب، دوسرے مشرکین۔ یہاں مِن تبعیضیہ کے لیے نہیں، بلکہ بیان کے لیے ہے۔"

ڈاکٹر اوج لکھتے ہیں کہ "ہمارے خیال میں مولانا مودودی کے وضاحتی بیان کے بعد محمود الحسن اور احمد رضا کا ترجمہ پڑھنا چاہیے، کیوں کہ انہیں دو حضرات کے ترجمے اس وضاحت کے مطابق ہیں۔"

(۲) ضمناً عرض ہے کہ غلام احمد پرویز نے اس آیت کو "مِن بیان" کے تحت بایں الفاظ میں سمجھا ہے: "یہ لوگ جو اپنے آپ کو اہلِ کتاب کہتے ہیں، لیکن در حقیقت خدا کے دین کے منکر (اور اپنے خود ساختہ مذہب کے پیرو) ہیں اور یہ مشرکینِ عرب جو کسی آسمانی کتاب کے مدعی ہی نہیں، ان زنجیروں سے کبھی آزادی حاصل نہیں کر سکتے تھے جن میں یہ جکڑے چلے آرہے تھے۔"

ان تفسیری اقتباسات سے یہ نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

(۱) آیت میں اہلِ کتاب کے قول کی حکایت بیان کی گئی ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اہلِ کتاب اور مشرکین کا مجموعہ اپنے کفر کو ترک نہیں کرے گا۔
(۳) وہ کفر و شرک کی ایسی دلدل میں پھنس چکے تھے کہ بعثتِ رسول کے سوا ان کی ہدایت کی کوئی راہ نہیں۔
(۴) یہاں مِن تبعیضیہ کے لیے نہیں، بلکہ بیان کے لیے ہے۔
(۵) اس آیت میں حضور کے مبعوث ہونے سے پہلے مشرکین اور اہلِ کتاب کی کیفیات بیان ہوئیں۔

ان نتائج سے مِن تبعیضیہ سے متعلق ڈاکٹر اوج کی تحقیق مجروح ہوتی ہے۔ موصوف کا یہ دعویٰ "اکثر مشرکین اور بعض اہل کتاب ایمان لے آئے تھے" کا تعلق زیرِ تحقیق آیت سے ہر گز نہیں، بلکہ "آیت نمبر ۴ سے ہو سکتا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ آپ کے مبعوث ہونے کے بعد یہ مجموعہ اپنے کفر پر قائم نہیں رہا بلکہ بعض ایمان لے آئے اور بعض اپنے کفر پر قائم رہے۔" (تبیان القرآن جلد ۱۲، ص ۹۰۶)

مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے کی خصوصیات:

(۱) ترجمے میں ایجاز اور اختصار پایا جاتا ہے۔
(۲) ترجمے میں معنویت اور جامعیت پائی جاتی ہے۔
(۳) ترجمے میں سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔
(۵) ترجمہ مفسرین کی تحقیقات کا عکاس ہے۔
(۶) ترجمہ مِن بیانیہ کے تحت کیا گیا ہے۔
(۷) ترجمے میں بعثتِ نبی سے قبل اہلِ کتاب اور مشرکین کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

ان خصوصیات کی بنا پر مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے کو مولانا محمود الحسن سمیت دیگر مترجمین کے تراجم پر فوقیت حاصل ہے۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ (سُوْرَۃُ الَّیْل، آیت:۱۹)

(۱) اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے گا۔ (احمد رضا)
(۲) اور اس کے اوپر کسی کا احسان نہیں کہ وہ اس کا بدلہ اتارے۔ (عبد الماجد)
(۳) اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ (پیر کرم شاہ)
(۴) اس پر کسی کا احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ (ابو الاعلیٰ)
(۵) وہ حالاں کہ اس (پرہیز گار) پر تو کسی شخص کا بھی کوئی احسان نہیں جس کا (اسے) بدلہ چکانا ہو۔ (ابو منصور)
(۶) اور نہیں ہے کسی کا اس پر احسان جس کا بدلہ دے (محمود الحسن)
(۷) اور کسی انسان کا خدا کے پاس کوئی نیک کام نہیں جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔ (امر تسری)
(۸) اور جس کی کسی پر کوئی عنایت بدلے کے لئے نہیں۔ (اصلاحی)

اوج لکھتے ہیں کہ " ہمارے ترجمہ نگاروں نے بالعموم اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: "اور کسی کا اس پر احسان نہیں جس کا وہ بدلہ اتارے۔" گو اسلوب ترجمہ کی رو سے اسے غلط قرار نہیں دیا جا سکتا مگر اس ترجمہ پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ کسی پر احسان کرنے کے لئے گویا ضروری ہے کہ پہلے اس کا احسان مند ہوا جائے۔ ظاہر کہ قرآن کا یہ مقصود ہر گز نہیں ہو سکتا۔

دوسری طرف امین اصلاحی صاحب کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"اور جس کی کسی پر کوئی عنایت، بدلے کے لیے نہیں۔"

یعنی پرہیز گاروں کا شیوہ یہ ہے کہ وہ کسی پر اس غرض کے لئے احسان نہیں کرتے کہ کوئی اس کے جواب میں ان کے ساتھ بھی احسان کر دے۔ اس ترجمے میں مقصودِ قرآن بھی نمایاں ہے اور تاویل کے پہلو سے بھی اس میں کوئی الجھن نہیں۔۔۔۔ راقم (اوج) کے خیال میں مذکورہ بالا آیت کا معنویت اور مقصدیت سے بھرپور

ترجمہ اصلاحی صاحب کا قرار دیا جاسکتا ہے۔"(ص۲۰۳،۲۰۱)

ڈاکٹر اوج کے اعتراض کی حقیقت ملاحظہ ہو:

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی پر احسان کرنے کے لیے اس کا احسان مند ہونا ضروری نہیں، لیکن کسی کے احسان کے بدلے احسان کا انکار قرآنی تعلیمات کے منافی ہے۔ کیوں کہ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۚ (سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ، آیت ۶۰) احسان کا بدلہ احسان کے سوا اور کیا ہے۔

مولانا اصلاحی لکھتے کہ "بعض لوگوں نے اس ترجمے کو یوں کیا ہے کہ اور کسی کا اس پر احسان نہیں، جس کا وہ بدلہ دے"۔ اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے اس ترجمے کو غلط نہیں قرار دیا جاسکتا، لیکن اس کا مطلب اگر یہ ہے کہ جو شخص اس پر کچھ خرچ کرے جس نے پہلے اس پر کوئی احسان کیا ہے تو یہ انفاق اللہ کی رضا کے لیے نہ ہو گا تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ احسان کرنے والے پر احسان کرنا، اس درج کی نیکی نہ سہی احسان نہ کرنے والے پر کی جاتی ہے۔ آخر یہ نیکی کیوں نہیں ہے؟ ایک غریب نے آپ کو کبھی پیاس میں پانی پلا دیا تھا، کیا آپ اس کو بھوک میں روٹی کھلا دیں گے تو آپ کا یہ فعل رضائے الٰہی کے لیے نہ ہو گا(م۔الف، ۲۰۳۔ بحوالہ تدبر قرآن، آیت متعلقہ)

() آیت کا شانِ نزول:

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت بلال کو خرید کرنے کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امیہ سے کہا: تم اس کو فروخت کرو گے؟ اس نے کہا: ہاں میں اس نسطاس کے عوض فروخت کرتا ہوں اور نسطاس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا اور اس کی ملکیت میں دس ہزار دینار اور غلام اور باندیاں اور مویشی تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تم مسلمان ہو جاؤ تو یہ سب مال تمہارا ہو جائے گا، اس نے انکار کر دیا، جس وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس سے ناراض ہو گئے اور جب امیہ نے کہا: میں بلال کو نسطاس کے عوض بیچتا ہوں تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کو غنیمت جانا اور نسطاس کے عوض حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیا۔ اس وقت مشرکین نے کہا: ابو بکر نے جو بلال کو اتنی مہنگی قیمت پر خریدا ہے تو ضرور بلال نے ابو بکر پر کوئی احسان کیا ہو گا جس کا بدلہ اتارنے کے لیے ابو بکر نے بلال کو اتنی مہنگی قیمت پر خریدا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۙ(سُوْرَةُ الَّیْلِ، آیت:۱۹)

اس پر کسی کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔ انہوں نے کسی کا بدلہ اتارنے کے لیے یہ نیکی نہیں کی، لیکن اس کا مال دینا اپنے ربِّ علیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہے۔(تبیان القرآن جلد، ۱۲)

ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ اپنے محل میں بالکل درست ہے۔ مقالے میں جب مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے کا مطالعہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان کا ترجمہ زمانۂ مستقبل پر مشتمل ہے جب کہ آیت میں کوئی حرف اور فعل ایسا نہیں جس کے تحت اس کا ترجمہ زمانۂ مستقبل سے کیا جائے اور اسے ذہن قبول کرنے کو تیار نہیں تھا کہ ایسا ترجمہ مولانا احمد رضا نے کیا ہو گا۔ جب براہِ راست مطالعہ کنزالایمان سے کیا گیا تو افسوس ناک صورت حال سے دوچار ہونا پڑا کہ وہاں ترجمہ مستقبل کے تحت نہیں ہے، بلکہ ڈاکٹر اوج نے اپنی مجتہدانہ صلاحیتوں کی تحقیق میں نئے پن کے جنون کی وجہ سے مولانا احمد رضا کے ترجمے میں "گا" کا اضافہ کر دیا جس سے ترجمے کا حسن گہنا گیا اور ڈاکٹر اوج کا یہ عمل تحقیقی اصول کے خلاف بھی ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۙ(سُوْرَةُ التِّیْنِ، آیت ۵)

(۱) پھر ہم اسے پستوں سے بھی پست کر دیتے ہیں۔(عبد الماجد)
(۲) پھر اسے الٹا پھیر کر ہم نے سب نیچوں سے نیچ کر دیا۔(مودودی)
(۳) پھر اسے ہر نیچی سے نیچی حالت کی طرف پھیر دیا۔(احمد رضا)
(۴) پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے۔(محمود الحسن)
(۵) پھر اسے پستی کی پست ترین حالت کی طرف لوٹا دیا۔(ابو منصور)
(۶) پھر ہم نے اس کو نچلوں سے نیچے گرا دیا۔(امرتسری)
(۷) پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف۔(الازہری)
(۸) پھر ہم نے اس کو ادنیٰ درج میں ڈال دیا جب کہ وہ خود گرنے والا بنا۔(اصلاحی)

ڈاکٹر اوج لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا تراجم میں امین اصلاحی کا ترجمہ سب میں مختلف اور منفرد نظر آتا ہے۔ ان کے ترجمے میں اللہ ربّ العزت کی سنّت کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ جس کے تحت وہ اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے ترجمے سے ظاہر ہے کہ انسان کا شرف "احسن تقویم" سے محروم ہونا دراصل انسان کے اپنے رویہ پر منحصر ہوتا ہے؛ و گرنہ خدا خود کسی کو اس شرف سے محروم نہیں کرتا۔ اس ترجمہ سے عوام الناس کے ذہنوں میں

ہدایت و ضلالت کے باب میں جو شبہ پیدا ہو سکتا ہے اس کا نا صرف پورا پورا جواب موجود ہے بلکہ قواعدِ عربی کی رو سے بھی یہی ترجمہ اپنی تاویل میں صحیح نظر آتا ہے۔(م؛الف،۲۰۸)

موصوف نے "اسفل سافلین" سے متعلق صرف مولانا اصلاحی اور مولانا حمید الدین فراہی کی رائے سے استفادہ کیا جب کہ دیگر مفسرین کی تحقیقات سے صرفِ نظر کیا ہے۔ اس آیت سے متعلق دیگر مفسرین و محققین کی تحقیقات ملاحظہ ہوں:

(۱) سب سے نچلے طبقہ سے مراد دوزخ ہے یعنی کافر کو ہم نے دوزخ میں لوٹا دیا اور مومن کو جنت کی طرف لوٹا دیا جیسا کہ دوسری آیت کے استثنا سے ظاہر ہے۔

(۲) کافر کو ہم نے اس کے اختیار کیے ہوئے سب سے سے نچلے افعال اور اعمال کی طرف لوٹا دیا جو شرک اور کفر ہیں اور مومن کو ہم نے اس کے اختیار کیے ہوئے سب سے بلند و بالا اعمال کی طرف لوٹا دیا جو توحید و رسالت اور اعمالِ صالحہ ہیں۔

(۳) انسان کو ہم نے ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جب اس کی قُویٰ کمزور اور حواس معطل ہو جاتے ہیں۔

(۴) اللہ نے پانی کی ایک بوند سے تدریجاً مکمل انسان بنادیا پھر اس کو جوان مرد بنایا پھر ادھیڑ عمر تک پہنچایا پھر تدریجاً اس کو کمزور کرتا رہا حتیٰ کہ اسے ناکارہ عمر تک پہنچا دیا۔(تبیان القرآن جلد ۱۲، ص ۸۷۳)

علامہ فضل احمد حبیبی عظیمی اپنے ذوق کے مطابق مذکورہ آیت کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

"البتہ ہم نے خاص انسان (آدم) کو سب سے اچھے سانچے میں بنایا پھر ہم نے اس جگہ لوٹا دیا جس جگہ سے اسے اٹھایا تھا وہ جگہ اسفل سافلین ہے جس سے مراد کرۂ ارض ہے۔"(اسرار تخلیق احمد و کائنات۔ ص ۴۷)

آپ مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ "ردد" کا معنیٰ ہے "لوٹانا"۔ واپس کرنا۔ جس کا معنیٰ ہے جس جگہ سے یا جس شخص سے کوئی چیز لی گئی ہو اسی جگہ یا اسی شخص کو جب تک شے واپس نہ کی جائے تو لوٹانا کا معنیٰ اور مفہوم ہر گز ادا نہیں ہوتا، لہٰذا جب آدم کو کرۂ ارض کے مقام پر واپس کیا گیا تو معنیٰ درست ہو گیا۔ اگر ان کے وجود کو دوزخ سے اٹھایا جاتا تو ان کو پہلے دوزخ میں پہنچایا جاتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ اللہ کے نبی ہیں اور دوزخ ان کے لیے حرام ہے لہٰذا اسفل سافلین سے مراد کرۂ ارض ہے۔(ایضاً، ص ۴۳)

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں: "اسفل سے مراد کرۂ ارض ہے یا دوزخ؟ ایسا واضح ہوتا کہ عالم اجسام میں اسفل سے مراد کرۂ ارض اور عالم آخرت میں اسفل سے مراد دوزخ ہے۔"(تفسیرِ عزیزی بحوالہ اسرار محمد اور کائنات، ص ۳۶۴)

"اسفل سافلین" کی تفسیر مولانا نعیم الدین مرادآبادی تحریر فرماتے ہیں: "یعنی بڑھاپے کی طرف جب کہ بدن ضعیف، اعضا ناکارہ عقل ناقص، پشت خم، بال سفید ہو جاتے ہیں؛ جلد پر جھریاں پڑ جاتی ہیں؛ اپنی ضروریات انجام دینے میں عاجز ہو جاتا ہے یا یہ معنیٰ ہیں کہ جب اس اچھی شکل و صورت کی شکر گزاری نہ کی اور نافرمانی پر جمارہا اور ایمان نہ لایا تو جہنم کے اسفل ترین درکات کو ہم نے اس کا ٹھکانا کر دیا۔"(خزائن العرفان)

اس آیت کی مختلف مفسرین نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں مگر علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی اور علامہ غلام رسول سعیدی کی توضیحات سے ایک طرف ہدایت اور ضلالت کے باب سے متعلق ڈاکٹر اوج کے شک و شبہ کا ازالہ ہو جاتا ہے تو دوسری طرف مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ بھی مدلل ہو جاتا ہے۔

ماحصل(Findings):

(۶۴) ڈاکٹر اوج نے مکروہ کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کرنے کا الزام مولانا احمد رضا پر لگایا جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

(۶۵) ڈاکٹر اوج نے اپنی تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ مولانا محمود الحسن نے ما مصدریہ کے تحت ترجمہ کیا ہے؛ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ما موصولہ کے تحت ترجمہ کیا ہے۔

(۶۶) موصوف کا دعویٰ کہ اکثر مشرکین اور بعض اہلِ کتاب ایمان لے آئے تھے اس کا تعلق زیرِ تحقیق آیت سے نہیں، بلکہ اس کا تعلق آیت نمبر ۴ سے ہو سکتا ہے۔

(۶۷) ڈاکٹر اوج نے مولانا احمد رضا خاں کے ترجمۂ انشائیہ کو زمانۂ مستقبل میں تبدیل کر دیا۔

(۶۸) البینہ کی آیت نمبر ۱ کو نمبر ۱۴ لکھا گیا ہے۔

(۶۹) ڈاکٹر اوج مکروہ جاننے اور نامکروہ جاننے میں فرق نہیں کر پا رہے ہیں۔

(جاری۔۔۔۔)

امام احمد رضا اور کثرتِ کار، خطوط و فتاویٰ کے اجالے میں

توفیق احسن برکاتی (ممبئی، انڈیا)

تحقیق وریسرچ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ محقّقِ اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی تصنیفات کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے، یہ کتابیں سو سے زائد قدیم وجدید مختلف علوم وفنون پر مشتمل ہیں، جن میں کچھ علوم کو تو باقاعدہ امام احمد رضا نے ہی مدوّن فرمایا اور اس کے نقوش گہرے کیے، ورنہ دنیا سے ان کا اثر ختم ہو چکا تھا۔ امام احمد رضا قدس سرہ کی ۶۵/ سالہ حیاتِ مبارکہ کے شب وروز دینِ متین کی حمایت وخدمت میں صرف ہوئے، تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو تادمِ حیات جاری وساری رہا۔

موضوع پر روشنی ڈالنے سے قبل روز نامہ اردو ٹائمز ممبئی کے مشہور کالم نگار وتبصرہ نگار جناب وصیل خان کا امامِ اہلِ سنّت سے متعلق یہ تبصرہ ملاحظہ کر لیں: ”صرف ۶۵/ سال کی مختصر سی زندگی میں تقریباً ایک ہزار کتابوں کی تصنیف، وہ بھی کسی ایک موضوع پر نہیں، مختلف علوم وفنون پر ایک ایسا حیرت انگیز اور عبقری کارنامہ ہے جو بہت کم لوگوں کے حصّے میں آتا ہے۔ مادّی طور پر انسانی زندگی کے لیے لکھنے پڑھنے کے علاوہ اور بھی بہت سی مصروفیات ناگزیر ہوتی ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے نظام الاوقات کو انہوں نے کس طرح ترتیب دیا ہوگا، اگر ایک ایک لمحہ اور منٹ کا بھی حساب لگایا جائے تو فطری ضروریات کے وقت کی نفی کے بغیر اتنا بڑا کام کیا ہی نہیں جاسکتا“۔[1]

امام احمد رضا کا کام صرف کتابیں تصنیف کرنا ہی نہیں تھا، فتاویٰ لکھنا، رسالے تحریر کرنا، فتاویٰ کی اصلاح کرنا، دوسروں کی کتب ورسائل کی نظرِ ثانی واصلاح، دیگر طبعی ضروریات، خلقی مصروفیات، اسفار، ملاقاتِ علما واحباب، ادائیگیِ حقوق اللہ وحقوق العباد کے علاوہ بھی بہت سارے کاموں کا ایک اژدہام تھا، ضروریات ومصروفیات کا ہجوم تھا۔ فتویٰ نویسی کے متعلق خود ان کا یہ بیان ہے: ”بحمدہٖ تعالیٰ فقیر نے ۱۴/ شعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳/ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا۔ اگر سات دن اور زندگی بالخیر ہے، تو اس شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے، اس نعمت کا شکر فقیر کیا ادا کر سکتا ہے۔“[2]

قرآنی آیات واحادیث کی روشنی میں یہ بات بھی تحقیق شدہ ہے کہ اللہ عزوجل اپنے محبوب ومقرب بندوں کو کافی آزمائش میں مبتلا رکھتا ہے، برابر ان کا امتحان لیتا ہے، بیماریاں ان کے ارد گرد چکر لگاتی رہتی ہیں، ان کے صبر وشکیب کو عیاں کیا جاتا ہے، آلام میں گرفتار ہوتے ہیں، ان کے توکل علی اللہ کو پرکھا جاتا ہے، ان کے جذبات کی جانچ ہوتی ہے، مرض لاحق ہوتے ہیں، کام بھی لیا جاتا ہے، مقرب ہونے کے اعتبار سے خدمات کی نوعیت بھی جدا ہوتی ہے، مریض ہونا مقرب ہونے کی دلیل ہے، محسود ہونا برگزیدہ ہونے کا ثبوت ہے، بیماری اگرچہ کاموں میں تعویق کا سبب بنتی ہے، لیکن وہ مقرب ہی کیا جو مصیبتوں سے گھبرا جائے، بیماریوں سے ڈر جائے، امام احمد رضا کی زندگی بھی ایسے حالات کا شکار رہی، پر آشوب لمحات آئے مگر کام میں خلل نہ پڑا، ان کے مرض ونقاہت کی ایک اجمالی کیفیت ملاحظہ کریں اور غور فرمائیں کیا ان بیماریوں سے انہیں کوئی گزند پہنچا، ان کا کام رکا؟ آپ نے اپنے خطوط وفتاویٰ میں خود ان امور کی طرف مکتوب الیہ اور مستفتی کی توجہ دلائی اور ان کی جانب اشارہ فرمایا۔

تاج العلما سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں برکاتی قدس سرہ کو اپنے ایک مکتوب محررہ ۳۰/ ذی القعدہ ۱۳۳۰ھ میں لکھتے ہیں: ”جواب مسائل حاضر کر چکا تھا، دوبارہ بصیغۂ رجسٹری حاضر کرتا ہے، اوّل اپنی حالت عرض ہے، رمضان مبارک ۳۰/ھ میں چار بار بخار آیا، شب عید ۳۰/ھ میں ۱۰/ بجے سے ۱۲/ بجے تک اسٹیشن (بریلی) پر کھڑا رہنا ہوا، پھر حرارت لے کر واپس آیا، دوسرے دن دو عیدین (عیدِ جمعہ وعید الفطر) اور احباب کا ملنا، تکان بڑھ گئی اور جب سے اب تک کئی حملے بخار کے ہوئے، ادھر اخیر میں دو حملے بہت شدت سے ہوئے کہ حاضری مسجد سے محروم رہا۔ آج ظہر وعصر میں نماز کے

لیے گیا تھا، طبیب وہیں مسجد میں ملے اور نبض دیکھ کر کہا، ابھی بخار باقی ہے، چند روز مسجد کی سیڑھیوں کا چڑھنا، اترنا اور موقوف رہے۔"[۳]

حضرت مولانا حکیم عبد الرحیم صاحب احمد آبادی کو لکھتے ہیں: "میں اس عرصے میں کئی بار علیل ہوا، ایک دفعہ ۱۷/ دن کامل میں صرف تین دن کھایا، اب بفضلہٖ تعالیٰ اچھا ہوں"۔[۴]

ملک العلما علامہ ظفر الدین رضوی قدس سرہ کو اپنے مکتوب (محررہ ۱۴/ شعبان ۱۳۳۲ھ) میں بتاتے ہیں: "فتویٰ آیا اور تقسیم ہوا اور آپ کو رسید نہ بھیج سکا کہ سرکارِ مارہرہ مطہرہ حاضر ہونا ہوا، چھ روز میں واپس آیا اور صعوبتِ سفر وناسازیِ طبع سے اکیس روز معطل محض رہا، اب مبتلائے بعض افکار ہوں، طالبِ دعا ہوں"۔[۵]

مولانا کلیم عبد الرحیم صاحب کو دوسرے مکتوب میں یہ حال تحریر کرتے ہیں: "میں دو دن اوپر آٹھ مہینے سے علیل ہوں، سخت بے طاقت ہو گیا ہوں، اس پر کام کی کثرت اور تنہائی، جو کچھ اللہ عزوجل فرماتا ہے ہو جاتا ہے"۔[۶]

ملک العلما علیہ الرحمہ کو اپنے خط (محررہ ۲۱/ رجب ۱۳۳۴ھ) میں لکھتے ہیں: "آج درد و کرب کی زیادت شدت رہی اور حمد اس کے وجہ کریم کو، بے شمار عافیتیں ہیں۔"[۷] انسان درد و الم کی حالت میں اپنے خالق ومالک پر گلے شکوے کرنے لگتا ہے، اس کی نعمتوں کو فراموش کر بیٹھتا ہے، زبان سے عجب عجب الفاظ نکالتا ہے مگر ذرا امام احمد رضا قدس سرہ کی حالت و کیفیت ملاحظہ کریں کہ درد و مرض پر اطلاع بھی دے رہے ہیں اور حمدِ الٰہی بھی بجالاتے ہیں، توکل وشکیب ہو تو ایسا؟

حضرت مولانا عبد السلام جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں: "یہ فقیر باوصف کثرتِ معاصی ہر آن غیر محدود ونامتناہی نعمِ ربِّ اکبر عز جلالہ وسیّدِ عالم ﷺ میں ہے، والحمد للہ رب العلٰمین، ڈھائی سال سے اگرچہ امراضِ درد کمر وشانہ وسر وغیرہا امراض کاللازم ہو گئے ہیں، قیام، قعود، رکوع، سجود بذریعہ عصا ہے، مگر الحمد للہ کہ دینِ حق پر استقامت عطا فرمائی ہے، کثرتِ اعدا روز افزوں ہے اور حفظِ الٰہی تفضیل نامتناہی شاملِ حال، بایں ضعفِ بدن وقوتِ محن وکثرتِ فتن بحمد اللہ تعالیٰ اپنے کاموں سے معطل نہیں، کھانے اور سونے کو فرصت نہیں ملتی"۔[۸]

شعبان ۱۳۳۵ھ میں مولانا برہان الحق قدس سرہ کو لکھتے ہیں: "خیریت مزاج جناب مولانا المکرم اکرمہم السلام وسلمہ سے اطلاع دیجیے اور میرے لیے بھی طلبِ دعا کیجیے، ابھی ایک ہفتے میں تین دورے بخار کے ہو چکے ہیں، ضعف قوی ہے اور قوی ضعیف وحسبنا المولیٰ الکریم اللطیف"۔[۹]

اپنے شاگرد وخلیفۂ خاص ملک العلما کو ۲۳/ ربیع الاوّل ۱۳۳۶ھ میں ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: "ذی قعدہ سے آج ۲۲/ ربیع الاوّل تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی، مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا، جمعہ کے لیے لوگ کرسی پر بٹھا کر لے جاتے اور لے آتے، ۱۱/ محرم شریف سے بارے حاضری کا شرف پاتا ہوں، لوگ بازو پکڑ کر لے جاتے ہیں، نقاہت وضعف اب بھی بشدت ہے، دعا کا طالب ہوں"۔[۱۰]

علامہ برہان الحق قدس سرہ کو ۲۵ شوال ۱۳۳۷ھ کو ایک مکتوب میں بتاتے ہیں: "زیرِ ناف اسی درد کے چار دورے شوّال کی ان تاریخوں میں ہو چکے۔"[۱۱]

انہیں کو بریلی شریف سے ۴/ ربیع الاوّل ۱۳۳۸ھ میں لکھتے ہیں: "۲۷/ محرم سے ۳۵/ دن کے بخار نے بالکل بے طاقت کر دیا، طالبِ دعا ہوں۔"[۱۲] ملک العلما کو بھی ۱۴/ صفر ۱۳۳۸ھ کو اسی بخار کی اطلاع بذریعہ خط دی۔[۱۳] مولانا قاضی غلام گیلانی صاحب کو بھی ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ کو اس کی اطلاع دی۔[۱۴]

سن ۱۳۳۸ھ ماہ رمضان المبارک میں امام احمد رضا قدس سرہ کو سخت مرض لاحق ہوا چنانچہ بغرض علاج نینی تال کے بھوالی شہر میں اقامت پذیر ہوئے، وہاں بھی فتویٰ نویسی اور دیگر مصروفیات سے چھٹکارانہ پاسکے، خط وکتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا، مولانا عبد الاوّل جون پوری کو بھوالی ہی سے لکھتے ہیں: "فقیر شبِ ہلالِ ماہِ مبارک سے بغرض علاج ہے مع بعض اعزہ اس پہاڑ پر آیا ہوا ہے، وطن سے دور، کتب سے مہجور"۔[۱۵]

مولانا عبد السلام جبل پوری قدس سرہ کو اپنے ایک مرض کا حال کچھ اس طرح لکھا: "اجل نزدیک اور عمل رکیک حسبنا اللہ ونعم الوکیل، چار دن کم پانچ مہینے ہوئے، آنکھ دکھنے آئی اور اس پر

اطوار مختلفہ وارد ہوئے، ضعف قائم ہوگیا، سیاہ خیالات نظر آتے ہیں، آنکھیں ہمہ وقت نم رہتی ہیں، اوّل تو کچھ مہینوں کچھ لکھ پڑھ ہی نہ سکا، اب یہ ہے کہ چند منٹ نگاہ نیچی کیے سے آنکھ بھاری پڑ جاتی ہے، کمزوری بڑھ جاتی ہے، پانچ مہینوں سے مسائل ورسائل سب زبانی بتا کر لکھائے جاتے ہیں، بارہویں ربیع الاوّل کی شام سے ایک ایسا مرض لاحق ہوا کہ عمر بھر میں نہ ہوا تھا، نہ اللہ تعالیٰ کسی سنّی کو اس میں مبتلا کرے، پچھتّر گھنٹے بالکل اجابت نہ ہوئی، پیشاب بھی بند ہوگیا، مولیٰ تعالیٰ نے فضل فرمایا، مگر ضعف بدرجہ غایت ہے، نواں روز ہے، بخار کا دورہ ہوا، ضعف کو اور قوت بخشی، روز تجربہ کیا، مسجد تک جانے آنے کے تعب سے فوراً بخار آجاتا ہے، مجبوراً کئی روز سے یہ ہے کہ کرسی پر بٹھا کر چار آدمی لے جاتے اور لاتے ہیں، ظہر کو جاتا اور مغرب پڑھ کر آتا ہوں، طالبِ دعا ہوں۔"[16] بڑھاپے کے ایام ہیں، کثرتِ کار، نزولِ بلایا وشدتِ نقاہت کے باعث آپ کے قویٰ ساتھ چھوڑتے جارہے ہیں، کمزوری حد درجے کو پہنچ چکی ہے، چند قدم چلنے کی بھی بدن میں طاقت نہیں رہ گئی، باوجود ے امام احمد رضا کے عزم وحوصلہ کا عجب حال خط کے اس اقتباس سے بخوبی عیاں ہورہاہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے ماہِ وصال و مرضِ وصال میں حضرت علامہ عبد السلام جبل پوری پر کئی مصائب آئے، حوادثات رونما ہوئے، امامِ اہلِ سنّت نے تعزیت کے لیے عدمِ حاضری کی وجہ ذکر کرتے ہوئے تفصیل سے اپنی جان کاہ اور صبر آزما بیماریوں کا حالِ پر ملال لکھا ہے۔ اس کا ایک مختصر اقتباس قارئین ملاحظہ کرلیں: "شدتِ قبض وہیجانِ ریاح کا سلسلہ اب تک ہے، ۱۴ر محرم کو پہاڑ (بھوالی) سے واپس آیا، لاری والے میرے احباب تھے، مولیٰ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے، لاری میں میرے لیے پلنگ بچھا کر لائے اور بفضلہٖ تعالیٰ بہت آرام سے آنا ہوا، یہاں جب تک آیا ہوں، اتنی قوت باقی نہ تھی کہ عشا سے ظہر تک کی نمازوں کو چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد لے گئے، عصر بھی مسجد میں ادا کی پھر بخار آگیا اور مسجد تک جانے کی طاقت نہ رہی، پندرہ روز سے اسہال شروع ہوئے، اس نے بالکل آزاد کردیا، نماز کی چوکی پلنگ کے برابر لگی ہے، اس پر سے اس پر بیٹھے بیٹھے جانا تین تین بار ہمت سے ہوتا ہے۔"[17]

یہ مکتوب ۹ر صفر ۱۳۴۰ھ کو آپ کے فرزند اصغر حضور مفتیٔ اعظم قدس سرہ نے املا کیا، اس کے صرف دو ہفتہ بعد ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ کو ظہر کے وقت آپ رفیقِ اعلیٰ سے جاملے۔انا للہ وانا الیہ راجعون!

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے مکاتیب وخطوط سے یہ چشم کشا حقائق ہم نے اس لیے باہر نکالے کہ قارئین اندازہ لگاسکیں کہ اس قدر بیماریوں میں مبتلا رہنے کے باوصف انہوں نے نہ تو نماز ترک کی، نہ جماعت چھوڑی، اور نہ ہی دوسرے کاموں سے دست بردار ہوئے، بلکہ برابر تصنیف، فتویٰ نویسی، خط وکتابت، رشد وہدایت کا کام جاری رہا، ذیل میں ہم امام احمد رضا کے کثرت کار وہجوم افکار پر چند حقائق سپردِ قرطاس کریں گے، تاکہ موضوع اور عنوان پر کچھ حد تک روشنی ڈال سکیں۔

کثرت کار اور ہجومِ افکار کا نظارہ کرتے چلیں۔ خود لکھتے ہیں: "بحمدہٖ تعالیٰ تمام ہندوستان ودیگر ممالک مثلاً چین، افریقہ، امریکہ وخود عرب شریف وعراق سے استفتے آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہوجاتے ہیں"۔[18] دوسری جگہ لکھتے ہیں: "فقیر کے یہاں علاوہ ردِّ وہابیہ خذلهم الله تعالیٰ ودیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کار افتا اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زیادہ ہے، شہر ودیگر بلاد وامصار وجملہ اقطارِ ہندوستان وبنگال وپنجاب ملیبار وبرہما وارکان چین وغزنی وامریکہ وافریقہ حتّٰی کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتا آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہوجاتے ہیں۔"[19]

حضرت مولانا سید کریم رضا کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: "اگر جناب یہاں تشریف فرما ہو کر اس کم ترین خادمِ سنّت کے کثرت کار ملاحظہ فرمائیں تو امید کہ تاخیرات واجب العفو ٹھہرائیں"۔[20]

ایک اور مکتوب کا اقتباس ملاحظہ کیجیے اور ان کے لمحہ بہ لمحہ دینی مشاغل اور علمی مصروفیات کا اندازہ لگائیں، صدرِ انجمن نعمانیہ لاہور کے نام لکھتے ہیں: "مولانا! اس فقیر حقیر کے ذمّے کاموں کی بے انتہا کثرت ہے اور اس پر نقاہت وضعف کی قوت اور اس پر محض تنہائی ووحدت، ایسے امور ہیں کہ فقیر کو دوسرے کام کی طرف متوجہ ہونے سے باز رکھتے ہیں، خود اپنے مدرسے میں قدم رکھنے کی فرصت

نہیں ملتی، یہ خدمت کہ فقیر سراپا تقصیر سے میرے مولائے اکرم ﷺ محض اپنے کرم سے لے رہے ہیں، اہلِ سنّت و مذہبِ سنّت کی خدمت ہے، جو صاحب چاہیں، جتنے دن چاہیں فقیر کے یہاں اقامت فرمائیں، مہینہ دو مہینہ، سال دو سال اور فقیر کا جو بھی منٹ خالی دیکھیں یا جس وقت فقیر کو کوئی ذاتی کام کرتے دیکھیں، اسی وقت مواخذہ فرمائیں کہ تو اتنی دیر میں کوئی دوسرا کام کر سکتا تھا اور جب بحمدہٖ تعالیٰ سارا وقت آپ کی ہی مذہب ہی کی خدمت کاری میں گزرتا ہے تو اب یہ اگر فضول یا دوسرا اس سے اہم ہو تو مجھے ہدایت فرمائی جائے"۔[۲۱]

کیا ان تمام حقائق کے بعد بھی کسی حوالے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ اگر ہاں تو لیجیے ملاحظہ کیجیے: ایک تفصیلی فتوے میں فرماتے ہیں: "دفعِ گمراہاں میں جو کچھ اس ہیچ میرز سے بن پڑتا ہے بحمدہٖ تعالیٰ ۱۴/ برس کی عمر سے اس میں مشغول ہے اور میرے ربِّ کریم کے وجہِ کریم کو حمد کہ اس نے میری بساط، میرے حوصلے، میرے کاموں سے ہزاروں درجہ زائد اسے نفع بخشا۔"[۲۲]

دوسری جگہ لکھتے ہیں: حسد شہرت طلبی سے پیدا ہوتا ہے اور میرے ربِّ کریم کے وجہِ کریم کے لیے حمد ہے کہ میں نے اس کے لیے کبھی خواہش نہ کی، بلکہ ہمیشہ اس سے نفور اور گوشہ گزینی کا دل دادہ رہا، جلسوں اور انجمنوں کے دوروں سے دور رہنا انہیں دو وجہوں پر تھا: اوّل حبِّ خمول اور دوم

زمانہ می فخر و عیب و غیر از نیم نیست
کجا برم خرخود را بایں کساد و متاع

اور اب تو سالہا سال سے شدت ہجوم کار و انعدام کلی فرصت و غلبۂ ضعف و نقاہت نے بالکل ہی بٹھا دیا ہے جسے میرے احباب نے نازک مزاجی بلکہ بعض حضرات نے غرور و تکبر پر حمل کیا، اور اللہ اپنے بندوں کی نیت جانتا ہے۔[۲۳]

مولانا معراج الدین نقش بندی ایڈیٹر الفقیہ امرتسر کو ایک خط میں لکھتے ہیں: "مولانا! فقیر انتہا درجہ کا عدیم الفرصت ہے، ان شاء اللہ بعض احباب امداد مضامین بھی کرتے رہیں گے۔[۲۴]

حضور سید شاہ مہدی حسن میاں مارہروی قدس سرہ کی جناب میں اس خط کے ذریعہ التجا کرتے ہیں: "کثرت کار مانع ارسال عرائض رہتی ہے، حضور سے امیدوار معافی ہے، جوابِ مسئلہ جو حضرت قبلہ و کعبہ نے عنایت فرمایا، حق ہے، زیادہ حد ادب۔[۲۵]

مولانا مفتی احمد بخش صاحب تونسہ شریف کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: "دو عنایت نامے سابق کا جواب کہ بوجہ ہجوم کار اور تراکم افکار و تعداد امور وغیرہ اعراض نہ ہوا، اور جب تک کہ تکلیف انتظار ہو گی اس کی معافی چاہتا ہوں۔[۲۶]

امام احمد رضا کی زود نویسی اور سرعتِ نگارش بڑی حیران کن ہے، ان کی سرعتِ تحریر سے متعلق ملک العلما علامہ محمد ظفر الدین رضوی قدس سرہ لکھتے ہیں: "وہ بہت زود نویس تھے، چار آدمی نقل کرنے بیٹھ جاتے اور حضرت ایک ایک ورق تحریر کر کے انہیں نقل کرنے کو عنایت فرماتے، یہ چاروں نقل نہ کر پاتے کہ پانچواں ورق تیار ہو جاتا۔[۲۷]

ذرا ایک خط کا یہ اقتباس پڑھیں، امام احمد رضا کیا تحریر فرماتے ہیں: "فقیر دعا گو کہ ان ایام میں ردِّ وہابیہ میں پانچ رسائل لکھنے کی ضرورت ہوئی۔ چار بفضلہٖ عزوجل پورے ہو گئے، پانچواں لکھ رہا ہوں، ان کی شدت ضرورت کے باعث کثیر استفتا تعویق میں ہیں، فضل سے امید ہے کہ اسی ہفتہ میں اس کی تکمیل ہو جائے۔[۲۸]

اسی زود نویسی اور کثرت کار کی وضاحت کے لیے خط کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں: بھوالی نینی تال سے مفتی احمد بخش صاحب کو لکھتے ہیں: "ان حالات میں شدت گرما سے گھبرا کر رمضان شریف کرنے اور گرمیاں گزارنے ۲۹/ شعبان سے پہاڑ پر آیا، طالبِ دعا ہوں یہ کمزوری، یہ قوتِ ضعف، یہ علامتیں پھر میری تنہائی اور اس پر اعدائے دین کا چاروں طرف سے نرغہ، اس کی پھر اس کے حبیب ﷺ کی مدد ہے کہ برابر دفع اعدائے دین و دشمنانِ اسلام میں وقت صرف ہوتا ہے، تقبل المولیٰ بکرمہ ولہ الحمد علی نعمہ یہاں آ کر بھی پانچ رسالے ردِّ خبثا میں تصنیف ہو چکے ہیں اور چھٹا زیرِ تصنیف ہے۔[۲۹]

اپنے وطن بریلی میں شدتِ حرارت اور قوتِ مرض کے سبب روزہ نہ رکھ پانے کا گمان تھا، نینی تال کی پہاڑیوں پر گئے، مریض تھے، روزہ پورا رکھا، اور تصنیف کا سلسلہ وہاں بھی نہ تھما، نہ مرض مانع ہوا۔ مولانا عبد الرحیم صاحب کو لکھے گئے خط کا یہ لجاجت بھرا جملہ ملاحظہ

کریں: ”مولانا! استغفر اللہ، فقیر کو آپ سے ناراضی ہے، الحمد للہ دلی دینی محبت ہے مگر اپنی تنہائی و کثرتِ کار کو کیا کروں۔[۳۰]

ایضاحِ حق اور اتمامِ حجت کے لیے مولانا طیب عرف مکی رام پوری کو لگاتار چار مہینے تک خطوط ارسال کیے، چناں چہ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: ”بعد حمد و صلوٰۃ یہ چوتھا مہینہ ہے کہ میں نے خط بھیجا اور آپ نے جواب نہ دیا، اور یہ خط بھی پہلے کی طرح جسے پانچ مہینے گزرے ہیں روشن و تاباں سوالاتِ دینیہ پر مشتمل تھا، آپ نے نہ اس کا جواب دیا اور نہ اس کا“۔[۳۱]

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ افہام و تفہیم کا کس قدر خیال رکھتے تھے، کوئی فیصلہ سنی سنائی بات پر فوراً نہیں سناتے، حقیقت تک رسائی حاصل کرتے، معاملات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے، خط و کتابت کے ذریعے سچائی جان لیتے، تب کوئی حکم صادر فرماتے، اور پھر اس کی اشاعت فرماتے، یقین نہ ہو تو مولانا عبد الباری فرنگی محلی، ناظم ندوہ مولانا علی مونگیری، مولوی رشید احمد گنگوہی، طیب عرف مکی رام پوری، مولوی اشرف علی تھانوی وغیر ہم کے نام امام احمد رضا قدس سرہ کے ارسال کیے گئے مکاتیب پڑھیں اور چشمِ بینا سے ان حقائق کا نظارا کریں، ان شاء اللہ ضرور بالضرور یقین کامل حاصل ہو گا اور دل مطمئن ہو جائے گا، مزید بر آں ان مراسلات کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ کا وقت نکالنا خالص دینی جذبے کے تحت تھا، ورنہ کیا ضرورت تھی مراسلاتی افہام و تفہیم کے اس سلسلے کی، لیکن نہیں امام احمد رضا مجددِ وقت تھے، فقیہِ اسلام تھے، ان کے پاس دینی غیرت موجود تھی، وہ قطعاً بدعتوں کے فروغ اور منکرات کی اشاعت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، قوم گمراہی کے دلدل میں آ جائے انہیں کب گوارا تھا، جبھی تو شب و روز کا آرام بھلا دیا، اشاعتِ اسلام میں، فروغِ سنّیت میں تن من دھن سب قربان کر دیا، لمحہ لمحہ دین کے لیے وقف کر دیا، ذمّے داری ہی کچھ ایسی تھی، مرتبہ ہی کچھ ایسا تھا، اب قارئین یقیناً اطمینان کا سانس لیں گے، یہ تھے امام احمد رضا کے کثرتِ کار اور ہجومِ افکار۔

مآخذ و مراجع

۱۔ اردو ٹائمز، ممبئی، جمعہ ۱۲ ستمبر ۲۰۰۸ء۔
۲۔ ڈاکٹر شمس مصباحی، کلیات مکاتیب رضا، کلیر شریف، ۱/۱۶۵۔
۳۔ نفس مصدر، ۱/۵۳۔
۴۔ نفس مصدر، ۲/۷۲۔
۵۔ نفس مصدر، ۱/۳۳۴۔
۶۔ نفس مصدر، ۲/۷۳۔
۷۔ نفس مصدر، ۱/۳۵۴۔
۸۔ نفس مصدر، ۲/۲۸۔
۹۔ نفس مصدر، ۱۳۱۸۹۔
۱۰۔ نفس مصدر، ۱/۳۶۳۔
۱۱۔ نفس مصدر، ۱/۱۹۴۔
۱۲۔ نفس مصدر، ۱/۱۹۸۔
۱۳۔ نفس مصدر، ۱/۳۷۵۔
۱۴۔ نفس مصدر، ۲/۱۹۴۔
۱۵۔ نفس مصدر، ۲/۱۷۳۔
۱۶۔ نفس مصدر، ۲/۳۸۔
۱۷۔ نفس مصدر، ۲/۴۳۔
۱۸۔ امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ، ممبئی، ۳/۲۳۔
۱۹۔ امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ مترجم، لاہور، ۴/۱۴۹۔
۲۰۔ ڈاکٹر شمس مصباحی، کلیات مکاتیب رضا، کلیر شریف، ۲/۲۲۷۔
۲۱۔ امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ، ممبئی، ۱۴۱، ۱۲/۱۴۰۔
۲۲۔ امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ، ممبئی، ۱۲/۱۳۳۔
۲۳۔ امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ، ممبئی، ۱۲/۱۳۳۔
۲۴۔ ڈاکٹر شمس مصباحی، کلّیاتِ مکاتیبِ رضا، کلیر شریف، ۲/۲۵۵۔
۲۵۔ نفس مصدر، ۲/۲۳۹۔
۲۶۔ نفس مصدر، ۱/۱۱۵۔
۲۷۔ مولانا ظفر الدین رضوی، حیات اعلیٰ حضرت، کراچی، ۱/۹۴۔
۲۸۔ ڈاکٹر شمس مصباحی، کلیات مکاتیب رضا، کلیر شریف، ۱/۱۲۶۔
۲۹۔ نفس مصدر، ۱/۱۳۵۔
۳۰۔ نفس مصدر، ۲/۷۴۔
۳۱۔ نفس مصدر، ۱/۳۲۶۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کا سانحۂ ارتحال اور اس کے متعلقات

ترتیب: **ڈاکٹر محمد حسن امام** (وفاقی اُردو یونیورسٹی، کراچی)

ہر شخص کی زندگی کا آخری دور عموماً علالت اور ضعف وناتوانی کا ہوا کرتا ہے جس کی وجہ سے پابندِ صوم وصلوٰۃ حضرات بھی سستی وکاہلی کا شکار ہوکر فرائض کی ادائیگی کا دامن چھوڑ دیتے ہیں یا کم از کم پابندیِ اوقات میں ضرور فرق آجاتا ہے، مگر مقربینِ بارگاہِ خداوندی ایسے عالم میں بھی اتباعِ شرع و تقویٰ کا اتنا ہی خیال رکھتے ہیں جتنا اپنی صحت وتندرستی اور طاقت کے زمانے میں لازم کیا کرتے تھے۔

جناب سیّد ایوب علی صاحب علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ جب عاشقِ رسول حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرّہ کے وصال کا زمانہ قریب آیا تو اب یہ خیال آتا ہے کہ نہ صرف ماہِ صیام گزارنا کوہ بھوالی پر مقصود تھا بلکہ پس ماندگان کو اپنی مفارقت کا آہستہ آہستہ عادی بنانا تھا۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ برسوں پہلے بھی اُن پر بخوبی روشن ہوچکا تھا کہ اُن کا کس سال اور نہ صرف سال بلکہ کس مہینہ اور نہ صرف مہینہ بلکہ کس تاریخ، کس روز، کس منٹ، پر وصال ہوگا۔ ملاحظہ ہو سرکار کا نعتیہ دیوان مسمّٰی بہ حدائقِ بخشش حصّۂ اوّل کے اخیر میں قصیدہ "حضور جان نور" ۱۳۲۴ھ زیرِ عنوان "حاضری بارگاہ بہیں جاہ وصل اوّل رنگ علمی" کے دو شعر جو علی الاتصال موجود ہیں، جن کے ظاہر معنیٰ نظر انداز کرتے ہوئے تاریخِ وفات ۲۵ صفر ۱۶ سال پہلے لفظوں میں فرما دی تھی "حضور جان" تاریخی نام ہے اور یہ اشعار دو مرتبہ حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینۂ منوّرہ سے روانگی راہ میں تحریر فرمائے تھے۔ ۱۳۲۴ھ کا واقعہ ہے اور وہ اشعار یہ ہیں:

وہ دیکھو جگمگاتی ہے شب اور قمر ابھی
پہروں نہیں کہ بست و چہارم صفر کی ہے
ماہِ مدینہ اپنی تجلّی عطا کرے
یہ ڈھلتی چاندنی تو پہر دوپہر کی ہے

بعدِ وصال قبلِ تدفین کاشانۂ اقدس سے حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان صاحب خلفِ اکبر حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ "مکتوباتِ رضویہ" کی جلدِ اوّل لائے اور میرے روبرو ورق گردانی فرماتے ہوئے ایک صفحہ پر توقف فرمایا۔ اس فقیر نے اور تمام حاضرین نے دیکھا کہ اس صفحے پر حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے کچھ تواریخِ وفات مرحومین وغیرہ کی استخراج فرمائی تھیں، جس کا اندازِ تحریر ظاہر کرتے ہوئے، میں اس تاریخ کو پیش کرتا ہوں جس سے میرا مقصود حاصل ہے، وہ یہ ہے ۱۳۴۰ھ
وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ(سُوْرَةُ الدَّهْر، آیت ۱۵)
(مولوی وصی احمد) مذکورہ بالا آیۂ کریمہ کے اعداد کا شمار بقاعدۂ ابجد ۱۳۴۰ھ ہوتا ہے اور حضرت مولانا وصی احمد صاحب سورتی علیہ الرحمۃ کا وصال ۱۳۳۴ھ میں ہوا ہے اسی لیے "و" کو الگ کرکے تحریر فرمایا یعنی "يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ" ان کا مادۂ تاریخ ہے اور آیتِ کریمہ "وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ" ہے، جس کے اعداد ۱۳۴۰ھ ہیں؛ لہٰذا حضرت محدث صاحب کا اسمِ گرامی لکھ کر محدود فرمانا، اس کو پردے میں رکھنا ہوا اور ظاہر نہ فرمایا کہ اپنا نام تحریر فرمانے سے انکشافِ راز ہوجاتا، اس لیے حضرت محدث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نامِ نامی پر اکتفا کیا، جس کا صاف مقصد یہ ہے کہ آیۂ کریمہ واو چھوڑ کر پڑھنے سے محدث صاحب کی تاریخ نکلتی ہے اور واو شامل کرنے سے "ہماری تاریخ وفات" ہے یعنی چھ سال قبل اپنے وصال کی تاریخ "مکتوبات شریف" میں محفوظ کردی تھی۔ (۱)

حضرت محدث سورتی کی وفات پر اپنی وفات کا اعلان

جامع حالات فقیر قادری رضوی غفرلہٗ کہتا ہے کہ جب حضرت اُستاذی و ملاذی محدث سورتی قدس سرہ العزیز کے وصال شریف کے بعد میں منتظر تعزیت پیلی بھیت روانہ ہوا، اس کے بعد بریلی شریف اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی قدم بوسی کے لیے بھی حاضری دی۔ ایک دن حضور نے اثنائے تذکرہ میں فرمایا کہ میں نے حضرت محدث صاحب کی تاریخِ وفات آیۂ شریفہ سے پائی ہے، جس سے ان کا مرتبہ بھی معلوم ہوتا ہے اور آیۂ کریمہ حضور نے تلاوت فرمائی: "يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ

مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ" اسی وقت میں نے آیتِ کریمہ کے اعداد جوڑے ۱۳۳۴ نکلے مگر میرے دل میں ایک کھٹک تھی جس کو کہنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، لیکن اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس پر مطلع ہو کر فرمایا: "کیا کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں"، اتنا اشارہ پا کر میں نے عرض کیا آیۂ کریمہ وَيُطَافُ ہے۔ اس پر تبسّم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ "پوری آیت اُس بندۂ خدا کی تاریخ ہو گی جس کا انتقال چھ سال بعد ۱۳۴۰ھ میں ہو گا" اس وقت میرا ذہن حضور کی طرف نہ گیا لیکن جب حضور کا وصال شریف ۱۳۴۰ھ میں ہوا، معاً خیال آیا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس دن اپنی ہی طرف اشارہ فرمایا تھا، مگر میں نہ سمجھ سکا۔

دورانِ قیام کوہِ بھوالی حضور کا ایک "مفاوضۂ عالیہ" فقیر (جناب سیّد ایوب علی صاحب) کے نام آتا ہے، آخر میں اسمِ گرامی سے پہلے ارشاد فرماتے ہیں "چراغ سحر بلکہ آفتاب سر کوہ" یہ مفاوضۂ عالیہ "جماعت رضائے مصطفی بریلی" کے روداد سالِ اوّل کی اخیر میں غالباً چھپا ہوا ہے۔(۲)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اپنے بیٹوں کو وصایا فرماتے ہیں:

یومِ وصال صبح سے تمام مراحل جائیداد اور تولیت وغیرہ طے فرمائے۔ بارہ بج کر بیس منٹ پر وصایا شریف، خلفِ اصغر حضرت مفتیٔ اعظم مولانا مولوی حاجی شاہ محمد مصطفی رضا خان صاحب سے لکھوائے اور آخر میں بحالتِ ہوش و حواس "واللہ شہید" خود دستِ حق پرست سے ارقام فرما کر دستخط ثبت فرمائے۔ مفصل حالاتِ ارتحال مع وصایا وغیرہ آئندہ کسی جگہ ہدیۂ ناظرین کیے جائیں گے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اب وصال شریف کو صرف دو گھنٹے ۱۸ منٹ باقی تھے۔ اس عرصے میں خلفِ اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولانا مولوی حاجی قاری شاہ محمد رضا خان صاحب نے حسب الحکم سورۂ یٰسین و سورۂ رعد تلاوت فرمائی۔ اس وقت بھی ہوش و حواس کا یہ عالم تھا کہ درمیانِ تلاوت دو ایک جگہ عربی اغلاط کی تصحیح فرمائی۔ وہ دعائیں جو سفر کے وقت پڑھنے کا معمول تھا حضور نے شروع فرما دیں۔ ارشاد فرمایا میری وجہ سے نماز جمعہ میں دیر نہ کی جائے۔

قریبِ وصال بڑے مولانا صاحب (یعنی مولانا حامد رضا خان صاحب) سے فرمایا گھڑی میرے پاس رکھ دو، ممدوح نے فوراً تعمیلِ حکم کی۔ فرمایا اور قریب لاؤ؛ اُنہوں نے اور بڑھا دی۔ فرمایا اور قریب لاؤ اُنہوں نے اور قریب کر دی۔ پھر فرمایا اور قریب لاؤ؛ عرض کی بالکل، بالکل نظر کے سامنے رکھوالی گئی۔

مولانا مولوی حسنین رضا وصیت نامہ تحریر کرتے ہیں:

جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ وصال شریف ۲ بج کر ۳۸ منٹ پر ہوا، گویا یہ وقت پہلے سے معلوم کرایا گیا تھا اور ایک ایک منٹ کر کے اس کا انتظار فرما رہے تھے، اسی لیے گھڑی بالکل مواجہہِ اقدس میں رکھوالی تھی۔ اس جگہ نفعِ عام کے لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ رسالہ وصایا شریف مولّفہ مولانا مولوی حسنین رضا خان صاحب خلفِ اوسطِ برادرِ اوسطِ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت گرامی جناب مولانا مولوی حسن رضا خان صاحب قدس سرّہ کی پوری نقل کر دوں۔

ملفوظ وصایا شریف

حضرت ملک العلما مکتوب وصایا سے پہلے ملفوظ وصایا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں ضروری سمجھتا ہوں کہ "مکتوب وصایا" کے ساتھ بعض ان "ملفوظ وصایا" کو بھی جمع کر دوں جو زمانۂ علالت میں وقتاً فوقتاً ارشاد ہوئے۔ یوں تو ان کی ہر مجلس میں بیٹھنے والا نصائح کے انمول موتیوں سے دامنِ مراد بھر کر اُٹھا مگر خوش خبری ہے اس کو جس نے ان نصائح کو گوشِ دل سے سُنا اور ان پر عمل کیا۔ افسوس اور سخت افسوس ہے کہ وہ زواہر جواہر اس درفشانی کے ساتھ ہی سلکِ تحریر میں نہ آسکے۔ جو دو چار باتیں میرے خیال میں ہیں حوالۂ قلم کرتا ہوں۔ اسی اثنا کے بعض ضروری حالات بھی اضافہ کروں گا، اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۴؍ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ کو بھوالی سے واپس تشریف لائے، مسلمانانِ بریلی نے بڑا شاندار استقبال کیا۔

حضورِ والا کے تشریف لاتے ہی بریلی میں چہل پہل ہو گئی۔ بھوالی میں اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دردِ پہلو کا دورہ پڑ چکا تھا، اس سے ضعف شدید ہو گیا تھا، وطن اور بیر و نجات کے دور دراز مقامات سے مسلمان عیادت و بیعت کے لیے گروہ در گروہ آتے جاتے رہے۔ باوجود نقاہت ان کی ہر مجلسِ عیادت تذکیر و نصائح کا ذخیرہ ہوتی۔ ان کی کبھی کوئی مجلس سرکارِ دو عالم تاجدارِ مدینہ ﷺ کے ذکر شریف سے خالی نہ گئی، مگر اس دورانِ علالت میں بکثرت ذکر شاہِ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیہ فرماتے اور خصوصیت کے ساتھ

اپنے اور تمام مسلمانوں کے لیے حسنِ خاتمہ کی دعا فرماتے۔ تضرع و خشیت کی یہ حالت تھی کہ اکثر احادیثِ رقاق ذکر فرماتے۔ خود اپنی نیز حاضرین کی روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ اکثر اوقات فرماتے جس کا خاتمہ ایمان پر ہو گیا اس نے سب کچھ پالیا۔ کبھی فرماتے اگر بخش دے اس کا فضل ہے نہ بخشے تو اس کا عدل ہے۔ حضرت پیر و مرشد سیّدنا شاہ سیّد آلِ رسول قدس سرّہ العزیز کے عرس شریف میں جو سال بسال بتواریخ ۱۹، ۱۸، ۱۷ ذی الحجۃ الحرام ہوا کرتا تھا، مگر اس مرتبہ بوجہ علالت اعلیٰ حضرت قبلہ اوقات مقررہ پر نہ ہو سکا۔ بلکہ بعد واپسی حضور پر نور یہ عرس شریف ہوا۔ اس عرس شریف میں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی حیات میں آخری عرس تھا۔ قل کے وقت لوگوں کو مکان میں طلب فرمایا۔ وعظ و نصیحت کی آخری صحبت تھی اور رشد و ارشاد کا دور۔

مولانا مولوی امجد علی صاحب نے کچھ "وصایا شریف" قلم بند کیے تھے، جو خود حضورِ اقدس نے القا فرمائے تھے۔ افسوس ہے کہ وہ کہیں کاغذات میں مل گئے کہ ان کا اب تک پتا نہ چلا۔ روزِ عرس کچھ کلماتِ طیبات جو بطورِ وصایا اِرشاد ہوئے، ان کی برکات سے حصّہ لینے کے لیے گوش گزارِ ناظرین کیے جاتے ہیں:

"پیارے بھائیو! لاادری مابقائی فیکم، مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنے دن تمہارے اندر اور ٹھہروں، تین ہی وقت ہوتے ہیں: بچپن، جوانی، بڑھاپا۔ بچپن گیا، جوانی آئی؛ جوانی گئی، بڑھاپا آیا؛ اب کون سا چوتھا وقت آنے والا ہے جس کا انتظار کیا جائے۔ ایک موت ہی باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ایسی ہزار مجلسیں عطا فرمائے اور آپ سب لوگ ہوں، میں ہوں اور میں آپ لوگوں کو سُناتا رہوں، مگر اب اس کی اُمید نہیں۔ اس وقت میں دو وصیتیں آپ لوگوں کو کرنا چاہتا ہوں: ایک تو اللہ و رسول ﷺ کی اور دوسری خود میری "تم مصطفی ﷺ کی بھولی بھیڑیں ہو، بھیڑیے تمہارے چاروں طرف ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکا دیں، تمہیں فتنے میں ڈال دیں، تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں۔ ان سے بچو، ان سے دور بھاگو۔ دیوبندی ہوئے، رافضی ہوئے، قادیانی ہوئے، چکڑالوی ہوئے، غرض کتنے ہی فرقے ہوئے اور ان سب سے نئے اب گاندھوی ہوئے، جنہوں نے ان سب کو اپنے اندر لے لیا ہے۔ یہ سب بھیڑیے ہیں، تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں، ان کے حملوں سے اپنا ایمان بچاؤ۔ حضورِ اقدس ﷺ رب العزۃ جل جلالہ کے نور ہیں۔ حضورِ اکرم ﷺ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم روشن ہوئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین روشن ہوئے، تابعین سے تبع تابعین روشن ہوئے، ان سے ائمۂ مجتہدین روشن ہوئے، ان سے ہم روشن ہوئے، اب ہم تم سے کہتے ہیں یہ نور ہم سے لو، تمھیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن ہو۔ وہ نور یہ ہے کہ اللہ و رسول کی سچی محبت، ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو۔ فوراً اس سے جُدا ہو جاؤ جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ و معظم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح سے نکال کر پھینک دو۔ میں ہمیشہ تمہیں بھی بتاتا رہا اور اس وقت بھی یہی عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے دین کی حمایت کے لیے کسی بندے کو کھڑا کر دے گا، مگر نہیں معلوم میرے بعد جو آئے کیسا ہو اور تمہیں کیا بتائے، اس لیے ان باتوں کو خوب سُن لو۔ اب میں قبر سے تمہارے پاس بتانے نہ آؤں گا۔ جس نے اسے سنا اور مانا قیامت کے دن اس کے لیے نور و نجات ہے اور جس نے نہ مانا اس کے لیے ظلمت و ہلاکت یہ تو خدا و رسول ﷺ کی وصیت ہے جو یہاں موجود ہیں سُنیں اور مانیں اور جو یہاں موجود نہیں تو حاضرین پر فرض ہے کہ غائبین کو اس سے آگاہ کر دیں اور دوسری میری وصیت ہے۔ آپ حضرات نے مجھے کبھی کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دی۔ میرے کام آپ لوگوں نے خود کیے۔ مجھے نہ کرنے دیے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب صاحبوں کو جزائے خیر دے! مجھے آپ صاحبوں سے اُمید ہے کہ قبر میں بھی اپنی جانب سے کسی قسم کی تکلیف کے باعث نہ ہوں گے۔

میں نے تمام اہلِ سنّت سے اپنے حقوق لوجہ اللہ معاف کر دیے ہیں، آپ لوگوں سے دست بستہ عرض ہے کہ مجھ سے جو کچھ آپ کے حقوق میں فرو گزاشت ہوئی ہو وہ سب معاف کر دیں اور حاضرین پر میرا فرض ہے کہ جو حضرات یہاں موجود نہیں، ان سے میری طرف سے معافی کرا لیں۔ ختمِ جلسہ کے وقت فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ کے فضل اور اس کے کرم سے اس گھر سے فتوے نکلتے نوّے برس سے زائد ہوگئے۔ میرے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدت العمر یہ کام کیا۔ جب وہ تشریف لے گئے تو اپنی جگہ میرے والد ماجد قدس سرّہ العزیز کو چھوڑا، میں نے چودہ سال کی عمر میں ان سے یہ کام لے لیا۔ پھر چند روز بعد امامت بھی اپنے ذمّے کرلی؛ غرض کہ میں نے اپنی صغر سنی میں کوئی بار ان پر نہ رہنے دیا۔ جب اُنھوں نے رحلت فرمائی، تو مجھے چھوڑا اور اب میں تم تینوں کو چھوڑتا ہوں، تم ہو (یہ خطاب خلف اکبر مخدومنا مولانا مولوی شاہ محمد حامد رضا خان صاحب سے ہے) "مصطفی رضا" ہیں، تمہارا بھائی حسنین ہے؛ سب مل کر کام کروگے، تو خدا کے فضل سے کرسکوگے۔ اللہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ اس کے بعد اپنے پس ماندوں کے حق میں خدمتِ دین و ترقیِ علم کی دعا فرمائی کہ اے اللہ تو ان ناتواں ہاتھوں کی لاج رکھ لے، جو ہمیشہ تیرے ہی آگے پھیلے ہیں۔"

ان مبارک وصایا نے مجمع پر ایسا گہرا اثر ڈالا کہ لوگ دھاڑیں مار کر روئے۔ لوگوں کا اس روز بلک بلک کر رونا عمر بھر یاد رہے گا۔ کچھ اس روز ہی اپنی رحلت کی تصریح نہ فرمائی، بلکہ اس کے بعد سے یومِ وصال تک لگاتار خبریں اپنی وفات شریف کی دیں اور ایسے وثوق سے کہ گویا منٹ منٹ کی خبر ہے۔ میں نے تو تمام واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، یہ کہنے کے لیے بالکل مجبور ہوں کہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرّہ العزیز جو تفرد و امتیاز، دورِ جدید کے علماءِ ظاہر میں رکھتے تھے وہی علو و برتری انہیں طبقۂ اولیا میں بھی حاصل تھی۔ ان کثیر اخبار میں سے بعض حوالۂ قلم کرتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے وصال کا لمحہ بہ لمحہ تذکرہ

رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ قبلہ بھوالی میں تشریف رکھتے تھے اس وجہ سے کہ فرائضِ الٰہیہ کی عظمت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا قلب ایسا محسوس کرتا تھا جو اولیاءِ کاملین کا مخصوص حصّہ ہے۔ گونا گوں امراض اور فراسان ضعف سے یہ طاقت نہ رکھتے تھے کہ موسمِ گرما میں روزہ رکھ سکیں۔ اس لیے آپ نے اپنے حق میں یہ فتویٰ دیا تھا کہ پہاڑ پر سردی ہوتی ہے وہاں روزہ رکھ لینا ممکن ہے تو روزہ رکھنے کے لیے وہاں جانا استطاعت کی وجہ سے فرض ہوگیا۔ اسی فتوے کی بنا پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ متعدّد سال سے آخر شعبان المعظم کو بھوالی تشریف لے جاتے تھے اور رمضان المبارک کے روزے پورے فرماکر عید کا چاند دیکھتے ہی بریلی شریف تشریف لے آیا کرتے اور نمازِ عید الفطر بریلی شریف اپنی مسجد میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس سن میں بھی حضور کوہ بھوالی ماہِ رمضان المبارک شریف میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کی منجھلی صاحبزادی مرحومہ بغرضِ علاج نینی تال میں مقیم تھیں۔ یہ کم و بیش تین برس سے علیل تھیں اور ایسی سخت کہ بارہا مایوسی ہوچکی تھی۔ جب نمازِ عید الفطر پڑھانے کے لیے اس سال نینی تال تشریف لانا ہوا تو صاحبزادی صاحبہ نے اشتدادِ مرض کی کیفیت عرض کی۔ سنا اور چلتے وقت فرمایا کہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارا داغ نہ دیکھوں گا، حالانکہ وہ بہت زیادہ بیمار تھیں اور حضور والا کے بعد صرف ۲۷ ہی روز زندہ رہیں۔ ۲۳ ربیع الاوّل شریف ۱۳۴۰ھ میں سفر آخرت اختیار کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان صاحب علیہ الرحمۃ نے ان مرحومہ کی تاریخ وصال فی البدیہہ یہ کہی "رحمۃ اللہ علیہا رحمۃ واسعہ"

وصال شریف سے دو روز قبل چہار شنبہ بڑی شدت سے لرزہ ہوا۔ جناب بھائی حکیم حسین رضا خان صاحب کو نبض دکھائی۔ بھائی صاحب قبلہ کو نبض نہ ملی، دریافت فرمایا نبض کی کیا حالت ہے؟ اُنھوں نے گھبراہٹ و پریشانی میں عرض کیا ضعف کے سبب نہیں ملتی، اس پر دریافت فرمایا آج کیا روز ہے؟ لوگوں نے عرض کیا چہار شنبہ ہے ارشاد فرمایا جمعہ پرسوں، یہ فرماکر دیر تک حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھتے رہے۔ میں اس وقت حاضر تھا۔ کہنے والے نے میرے دل میں فوراً کہہ دیا کہ امام اہلِ سنّت جمعۃ المبارک کو ہم میں رہنے والے نہیں۔ شبِ پنجشنبہ کو اہلِ بیت نے چاہا کہ جاگیں۔ شاید کوئی ضرورت ہو، منع فرمایا، جب اُنھوں نے زیادہ اِصرار کیا تو اِرشاد فرمایا ان شاء اللہ یہ رات وہ نہیں ہے جو تمہارا خیال ہے، تم سب سو رہو۔ وصال کے روز اِرشاد فرمایا: "پہلے جمعۃ المبارک میں کرسی پر جانا ہوا آج چارپائی پر جمعہ ہوگا"۔ پھر فرمایا میری وجہ سے نمازِ جمعہ میں تاخیر نہ کرنا۔ عالی جناب چودھری عبدالحمید خان صاحب رئیس سہاور مصنف "کنزالآخرہ" (جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے عقیدت کیش مخلص ہیں) وصال شریف کے کچھ قبل ملنے کے لیے تشریف لائے،

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے عرض کیا کہ حکیم واجد علی کوثر، سیتاپور کے ایک پُرانے طبیب ہیں صحیح العقیدہ سنی اور فقیر دوست ہیں۔ میرے خیال سے اُنہیں بلا لیا جائے اِرشاد فرمایا کہ انسان آخر وقت تک تدبیر نہیں چھوڑتا اور یہ نہیں سمجھتا کہ اب تدبیر کا وقت نہیں رہا۔ جمعہ کے روز کچھ تناول نہ فرمایا، بھائی حکیم حسین رضا خان صاحب حاضر خدمت تھے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو خشک ڈکار آئی۔ اِرشاد فرمایا، خیال رہے معدہ خالی ہے، ڈکار خشک آئی ہے، اس پر بھی احتیاط وصال سے کچھ قبل چوکی پر تشریف لے گئے، جمعہ کے روز صبح سے سفر آخرت کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ جائیداد کے متعلق وقف نامہ تکمیل فرمایا، جائیداد کی چوتھائی آمدنی مصرفِ خیر میں رکھی۔ باقی اپنے ورثا پر بہ حصص شرعی وقف علی الاولاد فرمادی پھر وصیت نامہ مرتب فرمایا جو درج ذیل ہے:

اس جگہ یہ بات بھی ذہن نشین کرنا چاہیے کہ جب سے حضور والا کو ضعف لاحق ہو اور چلنے سے معذوری ہوئی کرسی پر نماز پنجگانہ نماز پڑھنے کو تشریف لاتے رہے اور تمام فرائض با جماعت ہی ادا فرماتے رہے اس مرتبہ بھوالی سے واپسی پر بے انتہا ضعف لاحق ہوا، تو صرف جمعہ ہی با جماعت ادا فرمایا کیے حتیٰ کہ " جمعۃ الوصال" کے قبل والا جمعہ بھی با جماعت مسجد میں کرسی پر تشریف لے جاکر ادا فرمایا۔ مکتوب وصایا جو وصال شریف سے دو گھنٹہ ۱۵ منٹ قبل قلم بند کرائے اور آخر میں درود شریف و دستخط وغیرہ خود دستِ اقدس سے تحریر فرمائے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل

مکتوب وصایا شریف

اعلیٰ حضرت کے بھتیجے حضرت علامہ حسنین رضا خاں قادری بریلوی علیہما الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت کے مکتوب وصال سے کچھ دیر پہلے کے وصایا کو مرتب فرمایا، جو حضرت ملک العلما نے بھی حیاتِ اعلیٰ حضرت میں نقل فرمایا جسے ہم یہاں ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

۱۔ شروع نزع کے قریب کارڈ لفافے روپیہ سے کوئی تصویر اس دالان میں نہ رہے جنبی یا حائض نہ آنے پائے، کتا مکان میں نہ آئے۔

۲۔ سورۂ یٰسین و سورۂ رعد بآواز پڑھی جائیں، کلمۂ طیبہ سینہ پر دم آنے تک متواتر بآواز بلند پڑھا جائے۔ کوئی چلا کر بات نہ کرے، کوئی رونے والا بچہ مکان میں نہ آئے۔

۳۔ بعد قبضِ روح فوراً نرم ہاتھوں سے آنکھیں بند کر دی جائیں، بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ کہہ کر نزع میں نہایت سرد پانی ممکن ہو تو برف کا پلایا جائے، ہاتھ پاؤں وہی پڑھ کر سیدھے کر دیے جائیں، پھر اصلاً کوئی نہ روئے، وقت نزع میرے اور اپنے لیے دعاءِ خیر مانگتے رہو، کوئی کلمہ بُرا زبان سے نہ نکلے کہ فرشتے آمین کہتے ہیں۔ جنازہ اُٹھتے وقت خبر دار کوئی آواز نہ نکلے۔

۴۔ غسل وغیرہ سب مطابق سنّت ہو، حامد رضا خان وہ دعائیں جو فتاویٰ میں لکھی ہیں خوب ازبر کر لیں تو وہ نماز پڑھائیں ورنہ مولوی امجد علی۔

۵۔ جنازے میں بلاوجہ شرعی تاخیر نہ ہو۔ جنازہ کے آگے آگے اگر پڑھیں تو تم پر کروڑوں درود اور ذریعۂ قادریہ (یہ دونوں نظمیں اعلیٰ حضرت کی ہیں)۔ اوّل کا مطلع یہ ہے ؎

کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود

اور دوسری نظم کا مطلع یہ ہے ؎

واہ کیا جو دو کرم ہے شہِ بطحا تیرا
"نہیں" سُنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

۶۔ خبر دار کوئی شعر میری مدح کا نہ پڑھا جائے، یونہی قبر پر۔

۷۔ قبر میں بہت آہستگی سے اُتاریں، دہنی کروٹ پر وہی دعا پڑھ کر لٹائیں، پیچھے نرم مٹی کا پشتارہ لگا دیں۔

۸۔ جب تک قبر تیار ہو سبحٰن اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللّٰھم ثبت عبیدك ھذا بالقول الثابت بجاہ نبیك صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پڑھتے رہیں، ناج قبر پر نہ لے جائیں، یہیں تقسیم کر دیں، وہاں بہت غل ہوتا ہے، اور قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے۔

۹۔ بعد تیاری قبر سرہانے الم تا مفلحون، پائنتی امن الرسول تا آخر سورۃ پڑھیں اور سات بار بآوازِ بلند حامد رضا خان اذان کہیں، پھر سب واپس آئیں اور ملقن میرے مواجہہ میں کھڑے ہو کر تین بار تلقین کریں، پیچھے ہٹ ہٹ کر پھر اعزہ واحبا چلے جائیں اور ڈیڑھ گھنٹے میرے مواجہہ میں درود شریف ایسی آواز سے پڑھتے رہیں کہ میں

سنوں، پھر مجھے ارحم الرحمین کے سپرد کر کے چلے آئیں اور اگر تکلیف گوارا ہو سکے تو تین شبانہ روز کامل پہرے کے ساتھ دو عزیز یا دوست مواجہہ میں قرآن شریف و درود شریف ایسی آواز سے بلا وقفہ پڑھتے رہیں کہ اللہ چاہے تو اس نئے مکان میں دل لگ جائے (جس وقت سے وصال فرمایا اس وقت سے غسل شریف تک گھر میں قرآنِ عظیم بآواز پڑھا گیا پھر تین شبانہ روز مواجہہ شریف میں مسلسل تلاوتِ قرآنِ عظیم جاری رہی والحمد للہ)

۱۰۔ کفن پر کوئی دوشالا یا قیمتی چیز یا شامیانہ نہ ہو کوئی بات خلاف سنّت نہ ہو۔

۱۱۔ فاتحہ کے کھانے سے اغنیا کو کچھ نہ دیا جائے۔ صرف فقرا کو دیں اور وہ بھی اعزاز اور خاطر داری کے ساتھ، نہ کہ جھڑک کر، غرض کوئی بات خلافِ سنّت نہ ہو۔ (اعلیٰ حضرت قبلہ ان ابرار میں سے تھے جو آیۂ کریمہ:" وَ فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ (سُوۡرَۃُ الذّٰرِیٰت، آیت۱۹)" کے مصداق ہیں۔ حضور والا کو مدت العمر غربا سے محبت رہی۔ ان کی امداد واعانت فرماتے رہے اور وقتِ وصال بھی انہی کا خیال ہے کہ اپنے مرغب کھانے انہیں پہنچاتے رہیں، شانِ کرم یہ ہے)

۱۲۔ اعزہ سے اگر بطیبِ خاطر ممکن ہو، فاتحہ میں ہفتے میں دو تین بار ان اشیا سے بھی کچھ بھیج دیا کریں: دودھ کا برف خانہ ساز، اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو، مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ، خواہ بکری کا شامی کباب، پراٹھے اور بالائی فیرنی، ارد کی پھریری دال مع ادرک ولوازم، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف۔ اگر روزانہ ایک چیز ہو یوں کرو یا جیسے مناسب جانو مگر بطیبِ خاطر ہو۔ میرے لکھنے پر مجبور نہ ہو (دودھ کا برف دوبارہ پھر بتایا۔ چھوٹے مولانا نے عرض کیا اسے تو حضور پہلے لکھا چکے ہیں۔ فرمایا پھر لکھو ان شاء اللہ مجھے میرا رب سب سے پہلے برف ہی عطا فرمائے گا اور ایسا ہی ہوا کہ ایک صاحب وقتِ دفن بلا اطلاع دودھ کا برف خانہ ساز لے آئے۔)

۱۳۔ ننھے میاں سلمہ کی نسبت جو خیالات حامد رضا خان کے ہیں میں نے تحقیق کیا سب غلط ہیں اور وہ احکام بے اصل، یہ شرعی مسئلہ کہتا ہوں، نہ رو و رعایت سے۔ ان کی غلط فہمی ہے۔ ان پر ان کی اطاعت و محبت واجب ہے اور ان پر بھی ان سے محبت و شفقت لازم، جو اس کے خلاف کرے گا اس سے میری روح ناراض ہو گی۔

۱۴۔ رضا حسین (ف)، حسنین اور تم سب محبت و اتفاق سے رہو اور حتیٰ الامکان اتباعِ شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا، ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ اللہ توفیق بخشے والسلام۔

(دستخط) فقیر احمد رضا قادری غفرلہ بقلم خود بحالت صحت و حواس۔

واللہ شهيد وله الحمد وصلى الله تعالىٰ و بارك وسلم على شفيع المذنبين و آله الطيبين وصحبه المكرمين وابنه وحزبه الى ابد الابدين والحمد لله رب العٰلمين۔

۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ روزِ جمعہ مبارکہ ۱۲ بج کر ۲۱ منٹ پر یہ قیمتی وصایا قلمبند ہوئے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی زبان سے آخری حمد اور آخری درود

یہ درود آخری درود اور یہ حمد پچھلی حمد ہے اور یہ تحریر آخری تحریر ہے جو حضور پر نور اعلیٰ حضرت قبلہ نے اپنی آخری عمر شریف میں تحریر فرمائی۔ اس کے بعد پھر کچھ نہ تحریر فرمایا۔

نبیرۂ محدث سورتی کا بیان

نبیرۂ حضرت محدث سورتی مولانا قاری احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں: وصال شریف کے بعد جب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو غسل دینے کے لیے بستر سے اُٹھایا گیا تو سرہانے سے ایک کاغذ برآمد ہوا جس پر سورۂ دہر کی یہ آیتِ کریمہ لکھی ہوئی تھی "وَيُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِاٰنِيَةٍ مِّنۡ فِضَّةٍ وَّ اَكۡوَابٍ" نیچے لکھا ہوا تھا۔ اگر اس آیت کو واؤ سمیت پڑھا جائے تو میرے انتقال کی تاریخ نکلتی ہے اور اگر بغیر واؤ کے پڑھیں تو حضرت مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی کے انتقال کی تاریخ نکلتی ہے۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کا انتقال اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے وصال سے ۶ سال قبل ۱۳۳۴ھ میں ہوا تھا۔

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی وفات پر اخبارات میں اظہارِ ملال

حضرت امام اہلِ سنّت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ قدس سرّہ العزیز کے انتقالِ پر ملال کے نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند حرمین طیبین مصر و شام بیروت کے اخباروں میں بھی اس حادثۂ ارتحال کی خبریں نہایت ہی حسرت و افسوس کے ساتھ شائع ہوئیں۔

اخباروں میں بکثرت مضامین اس قسم کے لکھے گئے۔ اگر ان سب کو جمع کیا جائے۔ تو مستقل کتاب ہو جائے مولانا ظفر الدین کہتے ہیں کہ میں صرف یہاں "اخبار دبدبۂ سکندری" ریاست رامپور جلد ۵۸ سے ان کو نقل کر کے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

دبدبۂ سکندری جلد ۵۸ نمبر ۹۔ عالمِ بے بدل امام اہلِ سنّت کی وفات

اس حادثے کو لکھتے ہوئے قلم تھراتا اور کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ نہ صرف بریلی بلکہ تمام ہندوستان کے ایک زبردست عالم بے بدل اعلیٰ حضرت مجددِ مأتہ حاضرہ مؤیدِ ملّتِ طاہرہ مولانا مفتی حاجی قاری شاہ احمد رضا خان صاحب قبلہ قادری برکاتی بریلوی نے ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء یوم جمعہ کو ۲ بجے انتقال فرمایا۔ مرحوم ایک عرصے سے علیل و کمزور رہتے آتے تھے، یہ افسوس ناک خبر شہر میں برقی رو کی طرح پھیل گئی اور جس نے سُنا اس پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا اور جوق در جوق مسلمان آستانۂ رضویہ پر جمع ہونے لگے اس روز مسلمانوں میں ایک سناٹے کا عالم تھا۔ ۲۶ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو دن کے ۴ بجے مسجدِ رضوی کے پہلو میں مطبع والا جو مکان تھا اس میں دفن کیے گئے۔ نمازِ جنازہ خلائق کے اژدھام کے باعث عید گاہ کے وسیع میدان میں شاندار طریقہ سے پڑھی گئی اور اس طرح یہ غیر معمولی ہستی ہمیشہ کے لیے ہم سے پردہ فرما گئی۔ اس حادثے پر مسلمان بہت روئیں گے کیونکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذاتِ والا صفات دین کے لیے سپر تھی اور معاندینِ اہلِ سنّت کے اس صادق جانباز عاشقِ رسول کے سامنے چراغ گل تھے۔ دنیائے سنّت کے اس بڑے حادثے میں ہمیں ان کے صاحبزادگانِ سعید جناب مولانا مولوی مفتی حاجی شاہ حامد رضا خان صاحب قادری اور جناب مولانا مولوی مفتی شاہ مصطفیٰ رضا خان صاحب قادری اور صاحبزادیوں اور دیگر اعزہ سے غیر معمولی ہمدردی ہے۔ مفصل ہم آئندہ شمارے میں لکھیں گے اور اُمید کرتے ہیں کہ بعض خصوصی احوال سے صاحبزادگانِ گرامی قدر مشرف فرمائیں گے۔ (اخبار دبدبۂ سکندری، بریلی، انڈیا)

دبدبۂ سکندری نمبر ۱۰۔ ۷ نومبر ۱۹۲۱ء "موت العالم موت العالم

۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء جمعہ کے روز ۲ بج کر ۳۸ منٹ پر اسلام کے پیشوائے اعظم مقتدائے فضلائے عالم، مأتہ حاضرہ کے مجدد، ملّتِ طاہرہ کے مؤید، اعلیٰ حضرت جلیل المرتبت مولانا مولوی مفتی حاجی شاہ قاری محمد احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی قدس سرّہ نے ذکرِ الٰہی کے ساتھ عالمِ بقا کی طرف رحلت فرمائی! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ مسلمانانِ عالم کے قلوب بے چین ہیں، بریلی میں گھر گھر ماتم کدہ بنا ہوا ہے، جابجا سے افاضل و اماثل دینِ جمال کے دیوانے ہو کر دوڑے اور ۲۶ر صفر کی صبح کو ۹ر بجے کے بعد اس امامِ اسلام کا جنازہ اٹھا۔ آدمیوں کی وہ کثرت تھی کہ سوائے عید گاہ کے کسی اور مقام میں نمازِ جنازہ کا ادا کرنا ممکن نہ معلوم ہوا، وسیع سڑکوں اور بلندیوں پر چڑھ کر دیکھنے سے جہاں تک نظر جاسکتی تھی انسانوں کا انبوہ ہی انبوہ نظر آتے تھے۔ ایک بجے عید گاہ پہنچے اور بعدِ نمازِ ظہر حضرت مولانا مولوی مفتی حاجی شاہ محمد حامد رضا خان صاحب قبلہ دامت برکاتہم نے بعدِ تلقینِ ترکیب نمازِ جنازہ اور تکبیرِ سوم کے بعد وہ ادعیہ کہ اعلیٰ امامِ حضرت امام اہلِ سنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے "فتاویٰ مبارکہ" میں تحریر فرمائیں اور معمولۂ حضورِ اقدس تھیں، حسبِ وصیت پڑھیں، مقتدیوں کو بعد دعا کے آہستہ آہستہ آمین آمین کہنے کی ہدایت فرمادی تھی۔ پھر وہاں سے اسی شان و شوکت کے ساتھ واپس ہوئے۔ جنازے کے سامنے نعت خوانی اور درود شریف پڑھتے ہوئے محلہ سوداگران لائے اور حضرت مولانا مفتی شاہ محمد حامد رضا خان صاحب کے مکان میں اس سرِّ الٰہی اور ودیعتِ ربّانی نے پردہ فرمایا۔ قریبِ مغرب دفن سے فراغ ہوا اور ابھی تک شیدایانِ صادق العقیدہ کے غول کے غول مرقدِ اقدس کا طواف کر رہے ہیں۔

سرکارِ اعظم اجمیر شریف میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی فاتحہ سوم زیرِ اہتمام سیّد غلام علی صاحب، خادم درگاہ اجمیر شریف۔ رپورٹ: دبدبۂ سکندری نمبر ۱۰۔ ۷ نومبر ۱۹۲۱ء

حضرت ملک العلما علامہ ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ دبدبۂ سکندری کی رپورٹ نقل فرماتے ہیں: ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء یوم جمعہ کو بوقت شب سیّد حسین علی صاحب ولد سیّد صدیق علی صاحب وکیل جناب نواب صاحب بہادر، والی ریاست جاورہ، خادم درگاہِ معلیٰ سرکار اعظم اجمیر شریف کے نام ایک تار مرسلہ، حضرت قبلہ مولانا مولوی شاہ محمد حامد رضا خان صاحب بریلی سے آیا جس میں تحریر تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کا وصال ہو گیا۔ اس حادثۂ ہوش ربا کو

معلوم کرکے تمام مریدین و معتقدین کو جو اور جتنا رنج و الم ہوا اس کا حال تو عالم الغیب ہی خوب جانتا ہے۔ اس حادثے کی سب احباب کو اطلاع دی گئی اور سیّد حسین علی صاحب نے فاتحہ سوم کا انتظام کیا اور اوّل بروز اتوار ۲۷؍ صفر المظفر کو آستانۂ عالیہ حضور خواجۂ خواجگان سرکارِ اعظم خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازہ جنوب واقع دالان نواب اڑکاٹ، بعد نمازِ صبح قرآن خوانی ہوئی، جس میں چند صاحبزادگان و چند مدرسین و طلباء مدرسہ معینیہ عثمانیہ و مدرسین معینیہ اسلامیہ ہائی اسکول شریک رہے۔ اس کے بعد ڈھائی بجے موافق قاعدہ صاحبزادگان درگاہ معلّٰی ختم فاتحہ سوم کے واسطے شرقی دروازہ صحن درگاہ معلّٰی میں آکر ختم کیا گیا۔ اس وقت علاوہ صاحبان مذکور کے حضرت جناب میر سیّد نثار احمد صاحب قبلہ متولی درگاہ عرس پناہ اور چند اشخاص مدرسہ حنفیہ صوفیہ ویتامیٰ، اجمیر شریف بہ تعدادِ کثیر شریک تھے۔ بعد ختم، تبرک تقسیم ہوا اور اس طرح اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا مولوی شاہ احمد رضا خان صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی فاتحہ سوم سرکار اعظم اجمیر شریف میں کی گئی۔

دبدبۂ سکندری نمبر ۱۰ ص ۵ کا ایک نوٹ

اخباری دنیا میں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے انتقال پر ملالِ پر مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی پر، اخبار "مخبر عالم" مراد آباد میں یوں تعزیت کی گئی۔

اجل لگائے ہوئے گھات ہر کسی پر ہے
بہوش باش کہ عالم رواروی پر ہے

بریلی کے ایک تار سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حضرت مولانا مرحوم، سنی، حنفی، علما میں ایک غیر معمولی قابلیت و لیاقت کے عالم تھے۔ جن کی تصانیفِ کثیرہ سے نہ فقط ہندوستان بلکہ ممالک غیر بھی فائدہ اُٹھارہے ہیں۔ اس خبرِ وحشت اثر نے افسوس کی جا بجا صفِ ماتم بچھا دی۔ چنانچہ مراد آباد سے مولوی نعیم الدین صاحب اور بہت سے حضرات جو آپ کے شاگردان و مریدان میں ہیں، فوراً بریلی روانہ ہوگئے۔ جن کے آنے پر مفصل حالات معلوم ہوں گے۔ کل ہی کی بات ہے کہ مولانا مرحوم کے صاحبزادے مولوی حامد رضا خان صاحب کے نام سے ایک چٹھی جعلی اخبارات میں چھپ چکی تھی، جس کی فوراً تردید ہوئی تھی اور اُمید تھی کہ اس افترا پردازی کا کیا گل کھلے گا کہ یکایک یہ خبر آگئی کہ مولانا مرحوم کے بے وقت انتقال سے قوم کو ایک غیر معمولی صدمہ و نقصان برداشت کرنا پڑا، کیونکہ آپ کے "دارالفتاویٰ" سے مسلسل اشاعتِ دین ہوتی رہتی تھی مگر اُمید ہے کہ آپ ہی کے نقشِ قدم پر آپ کے سچے جانشین چلیں گے اور ان مفید علمی و مذہبی اشاعتوں کا باب بند نہ ہوگا۔ آخر میں ہم مرحوم کے لیے دعاءِ مغفرت اور ان کے پسماندگان سے اظہار افسوس و ہمدردی کرتے ہیں۔

"روزانہ اخبار" بریلی

نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا
فقط ایک نامِ نکوئی رہے گا

سچ ہے اس عالمِ ناپائیدار میں بجز ذاتِ باری تعالیٰ باقی سب فانی: کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کے مصداق ہیں۔ سب ہی کو ذائقۂ موت چکھنا پڑے گا؛ مگر بعض انسانی ہستیاں ایسی داعی اجل کو لبیک کہتی ہیں جن سے پس ماندگان کی چشم پرنم اور دل ہمیشہ متاسف رہا کرتا ہے اور رہ رہ کر عدم کو سدھارنے کی یاد آیا کرتی ہے۔ بریلی میں بھی ایک نہایت المناک حادثہ گزرا ہے، جس نے بھی اس حادثۂ روح فرسا کو سنا اس پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا ہے۔ آہ وہ حادثۂ جاں گداز کیا ہے یہ لکھتے ہوئے قلم تھراتا ہے۔ تاہم نہایت مختصر پیرایہ میں یہ تاسف انگیز خبر شائع کی جاتی ہے کہ بریلی کے مشہور زبردست عالم فاضل مجدد مائۃ حاضرہ عالی جناب مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب نے کل بروز جمعہ بوقت سہ پہر ایک طویل علالتِ شدید کے بعد وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آج تجہیز و تکفین عمل میں آنے کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ مرحوم مغفور بعد از فراغتِ نماز سوداگری محلہ، متصل مسجد ایک مقام پر دفن کیے گئے۔

دبدۂ سکندری نمبر ۱۱، ۱۲ ص الف

وہی دھوم ان کی ہے ماشاء اللہ۔ الا ان اولیاء اللہ لا یموتون
ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت ست بر جریدۂ عالم دواما

اللہ اللہ! جو لوگ محبوبِ حقیقی میں فنا ہوجاتے ہیں، پھر انہیں حیاتِ جاودانی ہے۔ انہیں موت نہیں آتی۔ الا ان اولیاء اللہ لا یموتون۔

انہیں تو ان کے محبوبِ جلیل سے وصال میسر ہوتا ہے۔ اس لیے وہ موت کی تمنا کیا کرتے ہیں "اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ" ان کی موت حقیقۃً ان کے وصال الی الحبیب کا نام ہے سبحن اللہ۔

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارا تیرا

انہیں میں ہیں امامِ اہلِ سنّت مجدد مائۃ حاضرہ مؤیدِ ملّتِ طاہرہ، حضور پر نور، مرشدِ برحق سیّدنا اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ جب تک دنیا میں قیام فرمایا، کوئی وقت، کوئی ساعت، کوئی آن، کوئی لمحہ، حمایتِ دین سے خالی نہ چھوڑا۔ اپنے پیارے آقا حضورِ پر نور سیّدنا احمد کی رضا میں غرق رہے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، غیر کی طرف التفات نہ کیا۔ خود اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

انہیں جانا، انہیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا!

اللہ اکبر ۲۵/ صفر یوم جمعہ مبارکہ ۱۳۴۰ھ کو ۱۲ بج کر ۲۱ منٹ پر قبضِ روحِ شریف سے صرف دو گھنٹے سترہ منٹ پیشتر جو "وصایا مبارکہ" قلم بند کرائے ان کے مطالعے سے اس کا بین ثبوت ملتا ہے کہ جو ایسا متبعِ سنّت، پابندِ شریعت ہے اپنی زندگی میں کیا حال ہوگا اس کی اتباعِ شریعت و پابندیِ شریعت کا رضی اللہ عنہ۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے آخری کلمات

حضرت ملک العلما ظفر الدین قادری رضوی فرماتے ہیں کہ یہ وہی "وصایا شریف" ہیں جو (اعلیٰ حضرت نے اپنے) وصال سے تھوڑی دیر پیشتر فرمایا، تصویریں ہٹاؤ، مجددِ ملّت کے گھر تصویر کا کیا کام! فرمایا روپے، پیسے، کارڈ، لفافے، ان سب پر تصاویر ہیں، انہیں ہٹاؤ، تعمیل اِرشاد کی گئی، یہ غایت احتیاط و نہایت تقویٰ تھا، پھر فرمایا بیٹھے کیا ہو۔ سورۂ یٰسین شریف پڑھو، حضرت شاہزادۂ اعظم مولانا حامد رضا خان صاحب مد ظلہم العالی نے وضو کرکے یٰسین شریف پڑھی، پھر سورۂ رعد شریف سُنائی، ایک آیت صاف سُننے میں نہ آئی دوبارہ پڑھوایا یا ایک جگہ سبقتِ لسان سے عَمِلُوْا کا عَمَلُوْا نکل گیا، بتایا عَمِلُوْا جب ختم ہوگئی، تو وہ دعائیں پڑھنا شروع فرمائیں جو سفر کے وقت تمام وکمال پڑھا کرتے تھے۔ منجملہ ان پیارے الفاظ کے یہ بھی ہے اللھم اطولنا بعدہ اللھم ازرقنا سعدہ اے اللہ اس سفر کی درازی کو میرے لیے مختصر فرما دے اور اے اللہ اس سفر میں ہمیں کامیابی عطا فرما، اللہ اکبر! جب سینے پر دم آیا اس وقت کلمۂ طیبہ پڑھا۔ جب ہمارے آقا و مولیٰ کو بولنے کی طاقت نہ رہی اس وقت بھی لب ہائے مبارک جنباں تھے۔ کان لگا کر سُنا تو "اللہ اللہ" فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہر سانس میں اللہ نکلتا تھا۔ اسی طرح اپنے محبوبِ حقیقی کا ذکر کرتے ہوئے اس دارِ فنا سے دارِ بقا کو تشریف لے گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم۔

بہت مخلصین کو تار دیے گئے، جس جس مسلمان کو خبر ہوئی کوہِ غم اس کے دل پر ٹوٹ پڑا اور کیوں نہ ہو کہ آج وہ خورشیدِ جہاں تاب مصطفائی افقِ قرب میں غروب ہوا جس کی پیاری روشنی سے اہلِ سنّت کے دل منور، آنکھیں روشن، جگر ٹھنڈے، جانیں سیراب تھیں جس کے روئے منور میں ایمان والوں کو جمالِ بغداد کے جلوے ملتے تھے جس کے چہرۂ انور میں حسن مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک نظر آتی تھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کیوں نہ ہو خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من صافح عالماً تقیا فکانما صافحنی" جس نے کسی پرہیزگار عالم سے مصافحہ کیا، گویا اس نے مجھ سے مصافحہ کیا، جس کی خوشبو سے گلشنِ اسلام مہک رہا تھا جس کے نور سے بزمِ شریعت جھلک رہی تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو غسل دیا جاتا ہے

دوسرے روز شنبہ کو ۱۰ بجے غسل شریف عمل میں آیا۔ ہر بات مطابقِ سنّت و موافقِ اِرشاد حضور ہوئی باوجود اس قدر دیر گزرنے کے، جسم شریف نہایت نرم و نازک ہی تھا۔ پائے اقدس کو مس کرنے والوں کا بیان ہے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ریشمین باریک کپڑوں کی تہ کر دی گئی ہے اور کیوں نہ ہو وہ سچے وارث و نائبِ انبیا تھے۔ اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے منظورِ نظر تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "نہیں مس کیا میں نے کسی ریشمیں کپڑے یا دیبا کو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کف اقدس سے زیادہ نرم ہو۔" رواہ البخاری فی صحیحہٖ، تو اس وصفِ کریم کا پرتو بھی ہمارے مرشدِ برحق آقا و مولیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کامل تھا، بعدِ غسل وکفن

جنازہ شریف تیار ہوا۔ اللہ اکبر!

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

اطراف وجوانب حتیٰ کہ پیلی بھیت، مراد آباد، رامپور، علی گڑھ، شاہجہانپور اور بیپور، میواڑ وغیرہ مقامات کے حضرات اہلِ سنّت آگئے تھے ایک عالم تھا عشاق کا۔ تخمینہ گیارہ ہزار آدمیوں کا کیا جاتا ہے۔ جنازہ مبارکہ کے آگے آگے یہ سلام موافق وصیت پڑھا جارہا تھا:

کعبہ کے بدرالدجیٰ تم پہ کروروں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں درود

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے جنازے کا منظر

اللہ اکبر! یارسول اللہ! یاغوث الوریٰ! کے نعروں سے گلی کوچے گونج رہے تھے۔ یہ کرامتِ جلیلہ آنکھوں دیکھی گئی کہ کل جو لوگ اس رہنمائے دین کی مخالفت پر کمر بستہ تھے آج اس نائبِ مصطفی ﷺ کے حضور سر نیاز خم کیے کھڑے ہیں۔ بہت کوشش کندھا دینے میں کی، جب نہ میسر ہوا اپنی ٹوپی ہی جنازہ شریف سے مس کرکے چومتے اور سر پر رکھتے تھے۔ الفضل ما شهدت به الاعداء ''حق وہ ہے جو باطل پرستوں سے اپنا کلمہ پڑھوا چھوڑے،'' اسی شان وشوکت کے ساتھ جنازہ عید گاہ پہنچا، نماز جنازہ ہوئی، پھر اسی شان وشوکت کے ساتھ جنازہ واپس ہوا، مسجد کی جانب شمال محلہ سوداگران، میں جو حضرت شاہزادۂ اعظم مدظلہ العالی کا مکانِ مبارک ہے، قربان اس تقدیر کے جو اس مجدد ملّت حبیبِ محبوب خدا ﷺ کی آرام گاہ بنا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے وصایا کی تعمیل کی

بعدِ دفن وصایا کی تعمیل ہوئی۔ ڈیڑھ گھنٹہ مواجہہ شریف میں صلاۃ رضویہ کا حلقہ رہا پھر تین شبانہ روز علی الاتصال بلا انقطاع، مواجہہ شریف میں تلاوتِ قرآنِ مجید جاری رہی۔ اب تک حضور کے شیدائی و سچے فدائی دیار وامصار سے برابر شد رحال کرکے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہو کر طوافِ مزار سے بڑے شوق و ذوق سے استفاضۂ خیرات و برکات کر رہے ہیں۔ ہر پنجشنبہ کو مواجہہ شریف میں مجلسِ میلاد شریف منعقد ہوتی ہے اور بارگاہِ رضویہ پر ہر پنجشنبہ کو چادر نذر لاتے ہیں اور چادر شریف کے ساتھ نعت خوانی و نعرہ ہائے اللہ اکبر و یا رسول اللہ کی گونج اور ہجوم عاشقان ہوتا ہے۔ (دبدبۂ سکندری نمبر ۱۲،۱۱ص:۱۱)

ریاست اودیپور میواڑ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی تعزیت

مکرمی جناب قاضی یعقوب محمد صاحب، جوائنٹ سیکرٹری، مدرسۂ اسلامیہ اودیپور نے لکھا کہ اعلیٰ حضرت صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ بریلوی (مولانا مولوی شاہ احمد رضا خان صاحب قبلہ) کے حادثہ انتقالِ پر ملال سے یہاں کے تمام مسلمانوں کو غیر معمولی رنج وافسوس ہوا۔ اور اظہار الم کے لیے تمام شہر کے مسلمان اور تمام اراکین انجمن تعلیم الاسلام (مدرسہ اسلامیہ) گزشتہ اتوار کو مسجد ہاتھی پول میں جمع ہوئے اور ایصالِ ثواب کے لیے چار سو قرآن ختم کیے، جس کے بعد مخدومی جناب مولانا عبدالکریم صاحب قادری نقشبندی جتوری مدرس مدرسۂ اسلامیہ اودیپور میواڑ نے اپنی فاضلانہ اور پُر اثر تقریر میں اعلیٰ حضرت، صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کے حالاتِ طیبات اور ان کی دینی خدمات اور ملی جذبات بیان کیے؛ جس کو سن کر تمام حاضرینِ جلسہ گریاں و نالاں تھے اور نہایت درجہ رنج و غم کا اظہار کر رہے تھے۔ آخر میں اس دعا پر اختتامِ جلسہ ہوا کہ خدا تعالیٰ اعلیٰ حضرت صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کی مغفرت فرماکر درجاتِ عالیات عطا فرمائے اور ان کے اعزہ و احبا کو ان کے حادثہ وفات پر صبر کی توفیق بخشے اور حضرت مولانا مولوی مفتی حاجی شاہ حامد رضا خان صاحب قبلہ سجادہ نشین اعلیٰ حضرت صاحب قبلہ کو ہم تشنگانِ علومِ شریعت و طریقت کے سروں پر تا دیر فیض بخش رکھے جن کی ذاتِ بابرکات سے تمام متوسلین آستانۂ رضویہ کی دینی اُمیدیں قدرت نے وابستہ کر دی ہیں۔ اراکینِ مدرسۂ اسلامیہ خاص طور سے اسلامی دنیا کے اس اہم حادثے میں خاندانِ والا دودمان سے اظہارِ ہمدردی کرتے ہیں اور تجویز کرتے ہیں کہ براہِ راست ایک تعزیت نامہ سجادہ نشین صاحب قبلہ موصوف کی خدمتِ والا درجت میں بریلی شریف ارسال کیا جائے اور ایک اطلاع اخبار ''دبدبۂ سکندری'' میں شائع کرنے کے لیے بھیج دی جائے۔

بہرائچ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا جلسۂ تعزیت

۴ نومبر ۱۹۲۱ء کو بعد نمازِ جمعہ جامع مسجد درگاہ حضرت سیّد سالار مسعود غازی علیہ الرحمۃ واقع بہرائچ میں اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ، مولانا مولوی مفتی حاجی قاری شاہ احمد رضا خان صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کی وفاتِ حسرت آیات پر ایک شان دار جلسۂ تعزیت

منعقد ہوا۔ مجمع بہت کثیر تھا اور ہر شخص رنج و غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ صدرِ جلسہ حضرت مولانا مولوی احسان الحق صاحب نعیمی، مفتی درگاہِ معلّٰی نے ایک پُر زور تقریر میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے فضائل و محامد بیان کیے اور یہ بات ثابت کی کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی وفات نہ صرف سنّیوں کے لیے بلکہ مسلمانانِ عالم کے لیے ایک صدمۂ عظیمہ ہے۔ جسلہ فاتحہ خوانی پر ختم ہوا اور تجویز ہوا کہ حضرت مولانا مولوی مفتی قاری حاجی شاہ حامد رضا خان صاحب، سجادہ نشین و دیگر اعزہ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا جائے۔

احمد آباد گجرات میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کے لیے ایصالِ ثواب کا عظیم الشان جلسہ

(مطبوعہ "دبدبۂ سکندری" نمبر ۱۲، ۱۱ص:۱۱ کالم دوم)

مرسلہ جماعت کارکنانِ جلسۂ عیدِ میلاد النبی ﷺ ٹیمبا پول احمد آباد۔ بتاریخ ۳ ربیع الاوّل بروز جمعۃ المبارک ۸ بجے شب کے میدان ٹیمبا پول میں جلسۂ عیدِ میلاد النبی ﷺ منعقد ہوا۔ حضرت مولانا ابو الکمال صاحب نے جن کو اس جلسے کے لیے مراد آباد سے مدعو کیا گیا تھا ایک عجیب و غریب پیرایہ میں بیانِ ولادت شریف فرمایا۔۔۔ فلسفیانہ دلائل زبان کی سلاست، کلام کی رنگینی، اظہارِ نکات ایک نیا لطف دکھا رہی تھیں، معلوم ہوتا تھا کہ انوارِ الٰہیہ کا مینھ برس رہا ہے۔ اثنائے بیان میں خلافت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ غازی مصطفیٰ کمال نے بہت سی تدابیر کیں، مگر کافی طور سے کامیاب نہ ہونے کے بعد انگورا کی مسجد میں لاکھوں آدمیوں کے اجتماع کے ساتھ میلادِ اقدس پڑھا، اس کے ذریعے سے دربارِ رسالت میں دعا کی کہ مجھے سلاح و افواج پر بھروسا نہیں ہتھیار و آلات پر گھمنڈ نہیں، حضور کی ذات پر اعتماد ہے۔ میں حضور کے کرم پر نظر کرکے کھڑا ہوں۔ اس میلادِ اقدس کا صدقہ مجھے دشمنوں پر فتح و نصرت مرحمت ہو۔ اس دعا کا کرنا تھا کہ فتح پر فتح شروع ہوگئی۔ میں ہندوستان کے مسلمانوں سے تحریک کرتا ہوں کہ وہ بھی اس سے سبق حاصل کریں اور ہندوستان کے ہر گوشے میں میلاد شریف کی مجالس منعقد کرکے سلطنتِ اسلامیہ کی فتح و نصرت کی دعائیں مانگیں۔

اس کے بعد مولانا نے خلافت کے لیے دعا مانگی اور تقریر ختم کرکے پنج آیات تلاوت کیں اور اس کا ثواب اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی روح کو پہنچایا اور دعا کی کہ پروردگارِ عالم ان کے جانشین و خلیفہ و صاحبزادہ حضرت مولانا حامد رضا خان صاحب جو حقیقۃً مولانا کے نمونہ ہیں اور فاضلِ جلیل، عالمِ نبیل، حامیِ دین، مفتیِ شرعِ متین، حضرت مولانا حکیم حافظ نعیم الدین صاحب مراد آبادی جو معقول و منقول کے زبردست و مستند عالم اور اسلام کے کامل مناظر ہیں ان کی عمروں میں برکت عنایت فرمائے کہ یہ حضرات بھی خدمتِ مذہب سرگرمی و مصروفیت کے ساتھ انجام دیں اور اسلام و مسلمین کو اپنی ذات سے بے شمار منافع پہنچائیں! آمین! جلسہ آمین و مرحبا کی صداؤں سے گونج رہا تھا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی وفات کے ایّام

عصر کے آخری وقت میں قل کے بعد فاتحہ ہوئی، سات قرآنِ عظیم ختم ہوئے اور اسی جلسے میں مولانا برہان میاں صاحب نے باوجود بخار وضعف کے حضرت امامِ اہلِ سنّت قدس سرّہ العزیز کے وہ دونوں مبارک صحیفے پڑھ کر سنائے جو مولانا اور حضرت قبلہ کے نام بچوں کی تعزیت میں تشریف لائے تھے اور یہی آخری صحیفے تھے، مجلسِ مبارک میں کوئی فرد نہ تھا کہ آنکھیں اشکبار نہ ہوں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہاں جس وقت قل و فاتحہ ہوئی، وہی وقت حضور پر نور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن کا وقت تھا، الحمدللہ یہ ہم وابستگانِ دامنِ اہلِ سنّت، جبلپور پر خاص توجہ والطافِ روحانی کی مبارک علامت ہے۔ اس کے بعد متواتر تین دن تک بعد نمازِ فجر مسجد ارمنی، مسجد پھوٹا تال، مسجد خانساماں مرحوم گڑھا پھاٹک میں اور دوسرے ہفتہ میں سنیچر کو مسجد موموناں (پارچہ بافاں) مدار ٹیکری اور تیسرے ہفتہ میں سنیچر کو مسجد بھان ملیا میں قرآن خوانی اور فاتحہ ہوئی اور اس طرح ہم حلقہ بگوشانِ سلسلۂ مبارک "قادریہ رضویہ سلامیہ" نے اپنی نیاز کیشی، غلامی، عقیدت مندی کا اظہار کرکے اپنی عاقبت کے مبارک وسیلہ کو مضبوط کرلیا، اگرچہ وہ ذاتِ اطہر ہم گنہگاروں سے اس بات کی محتاج نہ تھی ثبتنا اللہ تعالیٰ وسائر المسلمین علی الصراط المستقیم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ وابنہٖ وحزبہٖ و اولیاء امتہٖ وعلماء ملتہٖ اجمعین وعلینا معھم وبھم اٰمین۔

وفات کی رات اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا

حضرت ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین بہاری علیہ رحمۃ اللہ الباری اپنی ایک پریشانی کا ذکر کرتے ہوئے اپنا ایک خواب بیان فرماتے ہیں: عشا کے وقت کچھ خبر نہ ملی شب کو اسی پریشانی میں سو گیا، اعلیٰ حضرت قبلہ کی زیارت سے مشرف ہوا کہ مسجد میں نہایت ہی سفید صاف شفاف لباس زیب بدن فرمائے تشریف رکھتے ہیں، چاروں طرف لوگ حاضرین اور بدستور مسئلے مسائل پوچھ رہے ہیں، لیکن میں بالکل خاموش اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو حیرت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں کہ خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مولانا آپ اس قدر حیرت میں کیوں ہیں، میں نے عرض کیا حضور مولانا صاحب کا تار میرے پاس پہنچا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا وصال ہو گیا اور میں آپ کو زندہ دیکھ رہا ہوں، اس پر مسکرا کر فرمایا تو آپ نے اس تار پر یقین کر لیا؟ میں نے کہا مجھے یقین تو نہیں ہوا اسی لیے میں نے تار دے دیا کہ کیا آپ نے کوئی تار میرے نام بھیجا ہے لیکن اس کا جواب نہ پہنچا تو مجھے پریشانی ہوئی اور اسی پریشانی میں حضور کو دیکھنے خود چلا آیا ہوں الحمد للہ حضور کو دیکھ کر ایسی مسرت ہوئی کہ بیان سے باہر ہے اور اسی لیے میں مبہوت ہو کر آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ ایسا تار کیوں دیا گیا۔

اسی حالت میں آنکھ کھل گئی تو مجھے یقین ہو گیا کہ تار سچا ہے اس لیے کہ حضور اگرچہ برابر سفید ہی پارچہ پہنا کرتے تھے مگر اس جوڑے کی سفیدی اور براقی دوسری قسم کی ہے، رہا زندہ دیکھنا تو اس کا مصداق ہے۔

ان الاحباء احیاء وان ماتوا
وانما النقل من دار الیٰ دار

صبح کے وقت دوسرا تار بھی بریلی شریف سے آ گیا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے وصال کی خبر صحیح ہے اسی وقت "مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ" میں اس کی شہرت ہو گئی، لیکن اوقاتِ مدرسہ کی پابندی کی وجہ سے مدرسین اس وقت نہ آ سکے، جب ۴ بجے مدرسے میں تعطیل کی گھنٹی بجی اسی وقت پرنسپل و جملہ مدرسینِ مدرسہ میرے کمرے میں تشریف لائے اور اس حادثۂ جاں کاہ پر غم و افسوس کا اظہار کیا۔ چنانچہ میری استدعا پر سب حضرات نے ۳۔۳ مرتبہ درود شریف ایک ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ ایک ایک مرتبہ آیۃ الکرسی ۳۔۳ مرتبہ سورۂ اخلاص پھر ۳۔۳ مرتبہ درود شریف پڑھ کر اعلیٰ حضرت قدس سرّہ العزیز کی روحِ پر فتوح کو ایصال کیا اور پنجشنبہ کا دن ۲ ربیع الاوّل شریف کہ مدرسہ صرف تین گھنٹہ اور صبح کے وقت ہوا کرتا ہے ختم قرآن شریف کے لیے مقرر کیا گیا۔ چنانچہ پنجشنبہ کے دن پہلے ہی گھنٹے میں پھر میں نے جملہ مدرسین و طلبہ کو یاد دہانی کر دی کہ گھنٹی ہونے کے ساتھ ہی سب حضرات نوری مسجد میں جمع ہو کر ختم قرآن شریف کر کے ایصالِ ثواب کریں، خداوندِ عالم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں سات ختم قرآن شریف ختم ہو گئے۔ اس کے بعد قل ہوا اور سب لوگوں کو ایصالِ ثواب کے لیے شیرینی تقسیم کی گئی۔ اس کے بعد میں نے حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان صاحب شاہزادۂ اکبر سجادہ نشینِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں تعزیت کا خط لکھا۔

ولنعم من قال۔

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ!
میری چشمِ عالم سے چھپ جانے والے!

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ حضور کا سایہ ہم غلاموں کے سروں پر تا دیر قائم رکھے اور رشد و ہدایت کا باڑا جس طرح اس در سے بٹتا تھا ہمیشہ بٹتا رہے اور ہم جیسے بھکاری ہمیشہ اپنی جھولیاں بھرتے رہیں۔ آمین ثم آمین (۳)

مولانا مولوی ابو یوسف محمد شریف صاحب کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ

دادریغا حسرتا، صد حسرتا صد حسرتا
راہیِ ملکِ بقا شد مولوی احمد رضا
قامعِ اعناقِ مبتد عین و ناصر اہل دین
پیشوائے اہلِ سنت آہ از ما شد جدا
بہرِ تاریخ وصالش غور کردم ساعتے
از دلم آمد ندا مقبولِ حق احمد رضا
(۱۳۴۰ھ)

اخباری دنیا میں فاضل بریلوی کی وفات پر تاثرات

اخبار روہیلکھنڈ دہلی مطبوعہ یکم نومبر ۱۹۲۱ء

سب سے بڑا حادثہ اس ہفتہ کا جناب مولوی حاجی حافظ قاری احمد رضا خان صاحب کی وفاتِ حسرت آیات ہے، وہ ایک مشہور عالم تھے اور

حقیقۃً مختلف علوم میں کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ ندوۃ العلما کی مخالفت سے پہلے عام علماءِ اہلِ اسلام میں مقبولِ انام تھے مگر اس کارروائی سے ایک بڑا حصّہ آپ سے علٰحدہ ہوگیا تھا پھر علمِ غیب اور اذان کے مسئلے نے اور بھی کشیدگیاں پیدا کر دی تھیں۔ آپ کی پر معنٰی جدت پسندیوں اور مخالفت وموافق اشتہار بازیوں سے دور دور آپ کی شہرت ہوچکی تھی، اخباری دنیا بھی اچھی طرح آپ سے واقف ہوچکی ہے علاوہ پیرانہ سالی کے آپ مدت سے علیل تھے کچھ عرصے سے موسم گرما پہاڑ پر گزارنے لگتے تھے، جہاں سے حال ہی میں واپسی ہوئی تھی، جمعہ کے دن بعد نماز یکایک یہ خبر شہر میں مشہور ہوگئی مگر جنازہ دوسرے روز اُٹھایا گیا اور بعد نمازِ ظہر عید گاہ میں ہزاروں آدمیوں کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور پھر مجمعِ عام اور نعت خوانی کے ساتھ مکان پر لاکر دفن کیا گیا، جہاں خاص طور پر میونسپلٹی سے دفن کی اجازت حاصل کرلی گئی تھی۔

جہان مرگیا

اخبار الفقیہ امرتسر مطبوعہ ۵ / ۱۹۲۱ء کی سرخی سے اراکین جماعت رضائے مصطفی بریلی کا مرسلہ جو "دبدبۂ سکندری" میں بھی شائع ہوچکا ہے اور اسی کے حوالے سے اس کتاب میں پہلے درج ہوچکا ہے، اس کو ۵ نومبر کے اخبار میں شائع کرکے جناب ایڈیٹر صاحب "الفقیہ امرتسر" حسبِ ذیل الفاظ میں امام اہلِ سنّت کی تعزیت کر رہے ہیں: ہم نے مندرجہ بالا خط کو جس رنج سے لکھاہے اور اس سے جس قدر صدمہ ہمارے دل پر ہوا ہے اس کا اظہار بذریعہ تحریر نا ممکن ہے "موت العالم موت العالم" ایک سچا مقولہ ہے۔ ایسے عالمِ حقانی کا دنیا سے اُٹھ جانا در حقیقت دنیا کی موت ہے۔ اس پر فتن زمانے میں جب کہ فرقہ ہائے ضالہّ، دینِ اسلام کو خراب کرنے کے لیے بڑی جدوجہد سے کام لے رہے ہیں، ایسے وقت میں اس سیفِ صارم کا فوت ہونا مذہبِ اسلام کو ایک ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے والا ہے، تاہم ان کی بے شمار تصنیفات تمام گمراہیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے ان کی قائم مقام ہیں۔ دعاہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے فرزندانِ سعید جناب مولانا مولوی حامد رضا خان صاحب وجناب مولانا مولوی مصطفیٰ رضا خان صاحب کو ان کا صحیح جانشین بنائے اور ان کو توفیق دے کہ ان کے نقشِ قدم پر چل کر اور حمایتِ دینِ متین میں سرگرم رہ کر ماحیِ ضلالت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کو اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ مدارج عطا فرمائے اور پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین! مذکورہ بالا خط ایسے وقت پہنچا جب کہ ۵ نومبر کی کاپیاں تیار ہوکر پریس میں پہنچ چکی تھیں صرف اسی قدر درج ہوسکا باقی ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ اشاعت میں درج ہوگا۔ معراج الدین عفی عنہ۔

اخبار مشرق گورکھپور، مطبوعہ ۳ نومبر ۱۹۲۱ء
"موت العالم، موت العالم"

اسلام کی زبردست تعلیم اور سنّتِ نبویہ کی مستحکم تلقین اور اشدآء علی الکفار پر شدت سے عمل کرنے والے حامیِ شریعتِ محمدیہ، جناب مولانا حافظ قاری مفتی شاہ احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۸ اکتوبر کو بریلی میں رحلت فرمائی۔ دوسرے دن نمازِ جنازہ عید گاہ میں اس لیے ہوئی کہ ہجوم بہت زیادہ تھا۔ گھر پر جگہ نہ تھی۔ بعد نمازِ جنازہ جناب حامد رضا خان صاحب خلف الصدق حضرت کے مکان میں دفن کیے گئے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

اخبار علی گڑھ گزٹ، مطبوعہ ۱۱ نومبر ۱۹۲۱ء
"موت العالم موت العالم"

یعنی ایک عالم کی موت ایک جہان کی موت ہے نہایت دُرست اِرشاد ہے اور اس زمانے میں اس کا مصداق حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی رحلت سے بہتر پایا نہیں جاتا جو ۲۵ ۱۳۴۰ھ بمطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء روزِ جمعہ پونے تین بجے سہ پہر کے قریب واقع ہوئی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مرحوم اپنے عہد کے فقید المثال فقیہ تھے، لیکن اس کے ساتھ آپ کو تفسیر، حدیث، معقول، ریاضی، فلسفہ اور ہیئت وغیرہ علومِ کثیرہ میں یدِطولی حاصل تھا۔ آپ کی تصنیفات سیکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ جن میں سے بعض نہایت ضخیم وجسیم کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی بہت کثیر ہے۔ جو عراق، عرب، ترکستان، افغانستان وغیرہ تک میں پھیلی ہوئی ہیں" البیرونی" کی کتاب قانونِ مسعودی (جو ہیئتِ قدیم میں ایک نایاب کتاب ہے (اس کے سمجھنے والے دنیا میں ایک دو ہی ہیں اور ان میں آپ بھی تھے۔ آپ کا فتویٰ ہمیشہ بے لاگ اور سیفِ قاطع ہوتا تھا۔ کبر سنی اور امراض گوناگوں کے

باعث کچھ عرصے سے صاحبِ فراش چلے آتے تھے۔ ضعف روز بروز بڑھتا جاتا تھا، مگر مطالعہ و تحریر کا شغل آخری وقت تک جاری رہا بفضلِ خدا، فکرِ معاش سے فارغ البال تھے اور معقول زمین داری رکھتے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا فینتزعہ من العباد لکن یقبض العلماء حتّٰی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلو افافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا ''یعنی خدا تعالیٰ علم کو بندوں کے دلوں سے محو کر کے نہیں چھینے گا بلکہ علما کو اُٹھالے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا، تو لوگ جاہلوں کو سردار بنائیں گے، جن سے مسئلے پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے تو جس طرح خود گمراہ ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے'' افسوس کہ مسلمانوں میں علما واکابر کی تعداد روز بروز کم ہو رہی ہے اور جو فرد اُٹھ جاتا ہے اپنی نظیر نہیں چھوڑتا۔ مرحوم ''سلسلۂ قادریہ'' میں بیعت بھی کرتے تھے۔ خدا ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

اخبار ''ذوالقرنین بدایوں'' مطبوعہ ۷ نومبر ۱۹۲۱ء

حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی عرصے سے علیل تھے۔ آخر ۲۵ / صفر ۱۳۴۰ھ بمطابق ۲۸ / اکتوبر ۱۹۲۱ء، جمعہ کے روز ۲ بج کر ۳۸ منٹ پر اس جید عالمِ باعمل نے رحلت فرمائی، فوراً آپ کے انتقال کی خبر آپ کے تلامذہ و مریدین کو جو دور دور پھیلے ہوئے ہیں دی گئی۔ ۲۶ / صفر کی صبح کو ۹ بجے کے بعد جنازہ اُٹھا۔ آدمیوں کی وہ کثرت تھی کہ سوائے عید گاہ کے کسی اور مقام میں جنازے کی نماز کا ادا کرنا ممکن نہ معلوم ہوا، لوگ وسیع سڑکوں اور بلندیوں پر چڑھ کر دیکھتے، جہاں تک نظر جاسکتی تھی انبوہ انبوہ ہی نظر آتے تھے۔ ایک بجے عید گاہ پہنچے اور بعدِ نمازِ ظہر حضرت مولانا مولوی شاہ محمد حامد رضا خان صاحب دامت برکاتہم نے بعد تلقین ترکیب نماز، حسب ذیل وصیت نماز جنازہ اور تکبیر سوم کے بعد ادعیہ جو معمولہ مولانائے مرحوم تھیں، مقتدیوں کو بعد دعاء معمولی کے آہستہ آہستہ آمین کہنے کی ہدایت فرمائی۔ پھر وہاں سے اسی شان و شوکت کے ساتھ واپسی ہوئی، جنازے کے سامنے نعت خوانی و درود شریف پڑھتے ہوئے محلہ سوداگران لائے۔ اور حضرت مولانا مولوی شاہ حامد رضا خان صاحب خلف اکبر مولانا مرحوم کے مکان میں سپردِ خاک کیے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مولانا کے انتقال نے ہندوستان کے ایک بڑے شخص کی جگہ خالی کر دی ہے، جس کا پر ہونا مشکل ہے۔ آپ ہر معاملے میں مستقل رائے رکھتے تھے۔ حق کے مقابلے میں آپ کسی چیز سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ واقعاتِ حاضرہ میں آپ نے جو رائے غور و خوض کے بعد قائم کی تھی اس کو کوئی قوت بدل نہ سکی۔ یہاں تک کہ مخالفین نے آپ پر طرح طرح کے ناواجب الزام لگائے، لیکن آپ اپنی رائے پر جس کو اپنے نزدیک حق سمجھتے تھے، آخر دم تک قائم رہے۔

اخبار مخبر عالم، مراد آباد،

انتقال پر ملال مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی

اجل لگائے ہوئے تاک ہر کسی پر ہے
بہوش باش کہ عالم رواروی پر ہے

بریلی کے ایک تار سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو انتقال کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ! حضرت مولانا مرحوم سنّی حنفی علما میں ایک غیر معمولی قابلیت و لیاقت کے عالم تھے، جن کی تصانیفِ کثیرہ سے نہ فقط ہندوستان، بلکہ ممالکِ غیر بھی فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

اس خبرِ وحشت اثر نے افسوس کی جابجا صفِ ماتم بچھا دی۔ چنانچہ مراد آباد سے مولوی نعیم الدین صاحب اور بہت سے حضرات جو آپ کے شاگردان اور مریدین ہیں فوراً بریلی روانہ ہوگئے، جن کے واپس آنے پر مفصل حالات معلوم ہوں گے۔ کل ہی کی بات ہے کہ مولانا مرحوم کے صاحبزادے مولوی حامد رضا خان صاحب کے نام سے ایک چٹھی جعلی اخبارات میں چھپ چکی تھی، جس کی فوراً تردید ہوئی تھی اور اُمید تھی کہ خدا جانے اس افترا پردازی کا کیا گل کھلے گا کہ یکایک یہ خبر آگئی۔ مولانا مرحوم کے بے وقت انتقال سے قوم کو ایک غیر معمولی صدمہ و نقصان برداشت کرنا پڑا، کیونکہ ان کے ''دارالفتاویٰ'' سے مسلسل اشاعتِ دینی ہوتی رہتی تھی؛ مگر اُمید ہے کہ آپ ہی کے نقشِ قدم پر ان کے سچے جانشین چلیں گے اور ان مفید علمی و مذہبی اشاعتوں کا باب بند نہ ہوگا۔ آخر میں ہم مرحوم کے لیے دعاءِ مغفرت اور ان کے پسماندگان سے اظہارِ افسوس و ہمدردی کرتے ہیں۔

اخبار "دبدبۂ سکندری" ریاست رامپور
امام احمد رضا کے بغیر بریلی میں جشنِ میلاد شریف

بریلی میں جس شان دار طریقے سے بارھویں ربیع الاوّل شریف کو سوداگری محلہ میں عیدِ میلاد النبی ﷺ ہوتی تھی اس کی کیفیت ان شرکا کے قلوب سے پوچھنا چاہیے جو اس میں شریک ہوتے رہے ہیں، ہونے کو اب بھی یہ عید ہو گئی، لیکن آہ وہ ذاتِ گرامی موجود نہیں، جس کو اس عید کی حقیقی خوشی ہوتی تھی۔ وہ کون تھے؟ "اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا مولوی مفتی حاجی قاری شاہ احمد رضا خان صاحب"۔ خدا ہی جانتا ہے اس دن عقیدت مندوں اور عزیزوں کے دلوں پر کیا صدمہ گزرا ہوگا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو جو اس دن اہتمام کرنا ہوتا تھا وہ ایک تفصیل طلب بات ہے۔ مختصر یہ ہے کہ آپ نہایت قابلیت سے حالاتِ طیباتِ ولادتِ باسعادت و محامدِ حسنۂ محمد یہ بیان فرماتے اور ہر سال کی بارھویں کو ایک نئے انداز کا بیان ہوتا تھا۔ خدا تعالیٰ ایسی ہستی کو قربِ خاص عطا فرمائے، جس نے اپنی زندگی کو خدمتِ دینِ متین سرکارِ رسالت علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے وقف کر دیا تھا اور باقیات الصالحات کو توفیق رفیق ہو کہ وہ اعلیٰ حضرت قبلہ کے مسلکِ حقّہ پر عزمِ کامل کے ساتھ ثابت قدم رہیں۔

ملک العلما حضرت ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس سال کے ربیع الاوّل شریف کا مختصر حال "دبدبۂ سکندری" میں طبع ہوا ہے۔ بعض باتیں بہت ہی کار آمد ہیں اس لیے ان کو اس جگہ نقل کر دینا مناسب جانتا ہوں۔ دوازدہم، ربیع الاوّل شریف کو حضور پر نور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنّتِ کریمہ حضرت شاہزادۂ عالی وقار مولانا حامد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ادا فرمائی اور مسندِ ارشاد پر جلوہ گر ہوئے۔ خدامِ بارگاہ کو مرشدِ برحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جمال حضرت شاہزادۂ اعظم کے روئے مبارک میں نظر آرہا تھا، ابتدائے بیان اس آیتِ کریمہ سے فرمائی: "وَ مَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌؕ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ" (سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْت، آیت ۶۴) بیان پاک میں حضرت مد ظلہم العالی نے حیاتِ دنیا کی بے ثباتی حیاتِ آخرت کی بقا، حضراتِ اولیاءِ کرام کے حالاتِ تصوّف کے نکات، حضورِ پر نور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعۂ وصال شریف وغیرہ نہایت خوبی و وضاحت سے ارشاد فرمائے۔

نیز حضور کا وہ اِرشادِ پاک یاد دلایا جو عرس شریف میں ۲۷/ محرم الحرام کو اِرشاد فرمایا تھا کہ "پیارے بھائیو! تم مصطفی ﷺ کی بھولی بھیڑیں ہو، تمہارے چاروں طرف بھیڑیے تمہاری تاک میں ہیں، ان سے دور بھاگو، غیر مقلد، شیعہ، نیچری، قادیانی، چکڑالوی اب "نیا فتنہ گاندھوی" ہے۔ یہ سب بھیڑیے ہیں۔ ان کے حملے سے اپنا ایمان بچاؤ، اللہ توفیق دے۔ آمین! وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ وسراج افقہٖ و قاسم رزقہٖ ونور عرشہٖ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وابنہٖ و حزبہٖ ومجدد ملتہٖ وارث علومہ الفانی فیہ والباق بہ وعلینا وبارك وسلم

فقیر ظفر الدین قادری غفرلہٗ جامع حالات، نے سیکڑوں ملکی اخبارات و رسائل کو دیکھا ہے جس میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی وفاتِ حسرت آیات پر اظہار ملال کے طور پر اداریے، شذدے اور مقالے لکھے گئے۔ مگر ہم تمام کو ضبط تحریر میں لائیں تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ اسی طرح آپ کی وفات پر دنیا بھر سے جو خطوط موصول ہوئے تھے وہ ایک علیٰحدہ کتاب کے متقاضی ہیں۔

حوالہ جات

(۱) بتصرف حیاتِ اعلیٰ حضرت، مولفہ مولانا ظفر الدین بہاری، ص:۱۰۱۴/ ۱۰۱۵، جدید ایڈیشن، مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور۔

(۲) ایضاً، ص:۱۰۱۶۔

(ف) اعلیٰ حضرت کے بھتیجے اور مکتوب وصایائے اعلیٰ حضرت کے مرتّب حضرت علامہ حسنین رضا خاں بریلوی ابنِ شہنشاہِ سخن حضرت علامہ محمد حسن رضا خاں برکاتی نوری بریلوی فرماتے ہیں: "رضا حسین یہ عرف میرے برادر مکرم جناب حکیم حسین رضا خان صاحب کا ہے جو عرصۂ دراز تک اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں علاج کرتے تھے اور اخیر تک کرتے رہے۔ حضرت کے پہاڑ سے آنے پر بعض اعزہ کی رائے تبدیل معالج کی ہوئی، حضرت نے سُن کر ہندی کی مثل فرمائی (گھر کا جوگی جوگیا ان گاؤں کا سدھ) اور فرمایا جب سے اس نے میرا علاج شروع کیا ہے اس وقت سے اس وقت تک اس کی کسی دوا نے مجھے نقصان نہیں پہنچایا، اپنا عزیز ہونے کی وجہ سے کوئی اس کو نہیں سمجھتا اور نہ قدر کرتا ہے۔"

(۳) ماخذ، حیات اعلیٰ حضرت، مولفہ مولانا ظفر الدین بہاری، (جدید ایڈیشن)، ص:۱۰۵۰۔

افکارِ رضا کی روشنی میں معاشرے کی اصلاح کے لیے اقدامات

محمد شعیب صدیقی (کراچی)

حضرت امام احمد رضا کی ولادت دس(۱۰) شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴جون ۱۸۵۶ء کو شہر بریلی محلہ جسولی میں ہوئی[1]۔ آپ نے تعلیم طریقت حضرت مرشد برحق استاذ العارفین مولانا سید آل رسول مارہروی سے حاصل کی۔ تیرہ سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہوئے اور دستار فضیلت سے نوازے گئے[2]۔

مولانا بریلوی مذہبیات وادبیات کے علاوہ سیاسیات میں بھی بڑی بصیرت رکھتے تھے۔ وہ ایک عظیم مدبر تھے۔ آپ کا سیاسی مسلک بہت صاف و واضح تھا، ابتداء سے لے کر انتہا تک اس میں نہ کوئی نشیب وفراز آیا اور نہ کوئی لچک پیدا ہوئی۔ اول سے دو قومی نظریہ کے علم بردار رہے اور آخر تک اس کے لیے کوشاں رہے۔ وہ ہنود کی سیاسی چالوں سے بخوبی باخبر تھے۔ اس لیے سیاست ملیہ کے ہر اہم موڑ پر انھوں نے مسلمانوں کو خبر دار کیا۔[3]

مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ ۱۹۲۱ء)[4] کی دینی وملی اور علمی وفکر خدمات کا ہر گوشہ اس لائق ہے کہ اس کو دیکھا پڑھا اور اس کی روشنی میں عمل کیا جائے۔ مگر ایک صالح وصحت مند معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کے لیے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے اصلاحی کارنامے بطور خاص قابل ذکر ہیں نہیں بلکہ لائق اتباع بھی ہیں۔ آپ نے سماجی خرابیوں کے سدباب اور سماج کی فلاح وبہبود کے لیے جو کاوشیں کی ہیں وہ عظیم اور بے مثال ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے زبان سے زیادہ قلم کا استعمال کیا۔ آپ نے معاشرہ میں پھیلی ہوئی خرابیوں کی اصلاح کے لیے پوری زندگی غیر شرعی رسم ورواج کو ختم کرنے کے لیے سرگرم عمل رہے اور ان کے مضمر اثرات کی بھی نشان دہی کرتے رہے۔

۱۹۱۲ء میں امام احمد رضا نے غور کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ دانستہ تعصب برتا جارہا ہے۔ امام احمد رضا کا منصوبہ اس مسئلہ کا حل ہے۔ اگر مسلمان اپنی قوم کی تشکیل وتنظیم کریں۔ اپنوں میں خرید وفروخت کا کاروبار کریں، اپنوں ہی کی بہبود اور روزگار کے لیے عمل کریں تو تمام مسلمانوں کی ملازمت اور کیریئر کے لیے مواقع فراہم ہوجائیں گے۔ اگر مسلم بینک مسلمانوں کو سرمایہ فراہم کریں گے تو باصلاحیت افراد اپنی تجارت وپیشہ کو تشکیل دے کر ترقی کرسکتے ہیں۔

معاشرے میں رہتے ہوئے دوسری اقوام ومذاہب کے اثرات ضرور پڑتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے ہندوؤں اور پھر انگریز حاکموں سے مسلمانوں نے بہت سے اثرات قبول کے لیے۔ محدث بریلوی نے تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے زمانے میں ہندو مسلم موالات کے زمانے میں ہندو مسلم موالات کی جو مخالفت فرمائی اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ اس اختلاط سے وہ کفار ومشرکین کے رسم ورواج اپنانے لگے اور اس حد تک آگے چلے گئے جس کا اس زمانے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

امام احمد رضا نے ۱۹۱۲ء میں مسلمانوں کی بحالی کے لیے جو چار نکاتی پروگرام پیش فرمایا تھا[5] وہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور نہایت ہی جامع اور موثر منصوبہ ہے جس پر مسلمانوں کو عمل کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں!

۱۹۱۲ء میں مسلمانوں کی ہولناک حالت کے بارے میں امام رضا سے سوال کیا گیا تھا۔ مغرب سلطنتِ عثمانیہ کو بری طرح مغلوب کررہا تھا۔ بہت سے مسلمان سلطنتِ عثمانیہ کی امداد کے سلسلے میں اسے مالی اعانت بہم پہنچانے اور مغرب (برطانوی حکومت) سے مقاطعے کا مطالبہ کررہے تھے۔

امام احمد رضا نے کیے گئے سوال کے جواب میں مسلمانوں کی فلاح ونجات اور اصلاح کے لیے منصوبہ (یعنی تدبیر فلاح ونجات واصلاح) بھی پیش فرمایا اور یہ صراحت بھی کردی گئی کہ ان کی موجودہ کوششیں سود مند نہیں۔ مقاطعہ[6] کار آمد نہیں ہوگا۔ امام احمد رضا کی باتوں پر لوگوں نے سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ ترکوں کی امداد کے لیے جمع کردہ رقم ناکافی تھی اور اس کا بیش تر حصہ مسلم سیاست دان اپنے کیریئر پر صرف کررہے تھے اور حقیقتاً غیر ملکی مسلمانوں کے واسطے کچھ نہیں کررہے تھے۔ امام احمد رضا نے مزید فرمایا کہ سلطنتِ عثمانیہ کو زیادہ سے زیادہ رقم اور مدد دینی چاہیے، لیکن امّتِ مسلمہ کی

بحالی اور فلاح و نجات کی یہ اصل کلید نہیں تھی، بلکہ وہ اس سے مختلف ہے۔ امّتِ مسلمہ کی فلاح و نجات اور اصلاح کا اصل راستہ تھا، قدو قامت، خود مختاری اور اسلامی تہذیب کے ساتھ اس کی تنظیم و تعمیر اور وہ تھا امام احمد رضا کا چار نکاتی پروگرام! علاوہ اس کے کسی اور کام کی سعی لاحاصل تھی اس لیے کہ قوم کمزور تھی۔ مقاطعہ یا مشترکہ زمیں داری کے ہم پایالی عطیات کا رآمد نہیں جبکہ قومی تنظیم ہی ہو۔ ایک منظم اور طاقتور قوم ہی کے ساتھ یہ تمام کوششیں موثر ثابت ہو سکتی ہیں اور بلاشبہ اسلامی تہذیب میں ڈھال کر ایک طاقت ور اور خود مختار قوم کی تعمیر وہ تنظیم ہی تجدیدِ اسلام ہے۔ حقیقی مسلم قوم کے سوا اور اسلام ہے کیا؟ اگر امّتِ مسلمہ مضبوط اور طاقتور ہے، اسلام مضبوط اور طاقتور ہے۔

امام احمد رضا کا چار نکاتی پروگرام سادہ اور آسان تھا۔ اوّل یہ کہ مسلمانوں کو حکومتی امور عدالت سے قطع نظر کر کے (احتراز کرتے ہوئے) اپنے معاملات شریعت کی روشنی میں باہم فیصلہ کرنا چاہیے جس کا نتیجہ ہو گا سیاسی خود مختاری اور اسلامی سیاسی قیادت کا ارتقا۔

انگریزوں کی ہندوستان میں آمد سے قبل مسلمانوں کی قیادت کی باگ ڈور علما کے ہاتھوں میں تھی اور وہ شریعت پر عمل پیرا تھے لیکن استعماری حکومت نے علما کی اس قیادت کو ختم کر دیا۔ برطانوی ہندوستان میں علما کے جاری کردہ شرعی نظام کی جگہ اینگلو محمڈن قانون اور خالص سیکولر آئین والی برطانوی کچہریوں نے لے لی۔[۷]

اگر مسلمان برطانوی نظام سے احتراز کرتے تو علما اور شریعت کی پشت پناہی میں رہتے۔ مسلمانوں کے اصل قائد تو علما اور اولیا ہیں۔ امام احمد رضا کی تجویز کردہ مختاری و آزادی انہیں حکم شریعت کی پشت پناہی میں رکھتی۔ امام احمد رضا کے چار نکاتی پروگرام کا دوسرا حصّہ تھا مسلمانوں کا غیر مسلم معاشیات سے احتراز اور اپنی آزادانہ معاشیات کی تعمیر اور بحالی۔ انہوں نے فرمایا کہ ”مسلمانوں کو آپس ہی میں خرید و فروخت کرنی چاہیے۔“[۸]

ہندوستان میں سرمایہ دارانہ نظام کے تحت مسلمانوں کا شیرازہ بکھر اجارہا تھا۔ وہ ایک قوم ہونے کے باوجود معاشرے میں منتشر کیے جارہے تھے امور تجارتی اور میں غیر مسلموں سے خلط ملط ہو رہے تھے۔ اس طرح امّتِ مسلمہ بتدریج زوال پذیر ہو رہی تھی۔ اگر مسلمان مسلمانوں سے ہی خرید و فروخت کرتے تو قوم کی بحالی حاصل ہوتی اور وہ مضبوطی کے ساتھ اتحاد میں بندھے رہتے۔ امام احمد رضا کے چار نکاتی پروگرام کا تیسرا جزو تھا اپنے آزادانہ بینکاری نظام کا قیام، سرمایہ دارانہ نظام کے تحت مسلمان ذاتی اور تجارتی غرض کے لیے سرمایہ داروں اور بینکوں سے قرض لیتے تھے؛ نتیجتاً تجارت پیشہ طبقہ انتشار میں مبتلا تھا۔ مسلمانوں کے اپنے کسی معاشی نظام کا وجود نہیں تھا۔

امام احمد رضا نے یہ تجویز بھی پیش فرمائی تھی کہ اسلامی قانون کی رو سے غیر سودی، اسلامی بینک کا قیام ممکن ہے اور اسے ضروری سمجھ کر پروان چڑھانے (ترقی دینے) کی سفارش بھی کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ مسلمان ایک دوسرے سے مل کر کام کرتے اور حقیقی خود مختاری اور معاشی طاقت حاصل کرتے۔

امام احمد رضا کے پروگرام کے دوسرے اور تیسرے نکات پر عمل پیرا ہونے سے مسلمان باہم کام کرتے ہوئے ترقی پذیر ہوتے اور بحیثیت قوم حقیقی زندگی بسر کرتے، اس طرح یہ علما اور اولیا کی قیادت فرمائی گی ایک سچی قوم ہوتی۔ اسی طرح امام احمد رضا کے منصوبے کا چوتھا جزو بھی سادہ تھا۔ مسلمانوں کو علمِ دین اور اسلامی تہذیب کو پروان چڑھانا چاہیے تھا تاکہ قوم سیاسی اور معاشی معاملات میں خود مختار ہوتی اسی طرح وہ زیادہ سے زیادہ اسلامی ہوتی۔ علما کو ہر قیمت ہر چیز پر فوقیت دیتے ہوئے اسلامی تہذیب کی نشو و نما اور شریعت پر مبنی اسلامی زندگی کی تشکیل کی رہبری کرنی چاہیے۔ برطانوی ہندوستان میں مسلمان بآسانی اسلامی تعلیم سے دست بردار ہو رہے تھے۔ تعلیم یافتہ مسلمان سیکولر اسکولوں اور یونیورسٹیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ علما سے دینی تعلیم حاصل کرنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ یہ بات قوم کو ایک دوسرے سے جدا کر رہی تھی۔

امام احمد رضا نے اس کا جواب علم دین کی ترویج و اشاعت اور اسلامی تہذیب کی نشو و نما میں دیکھا۔ اس طرح امام احمد رضا کا منصوبہ تھا: قوم کی خود مختارانہ سیاسی، معاشی اور تہذیبی تکمیل و تنظیم اور یہی تھی اسلام کی تجدید اور اس طرح قوم بین الاقوامی سطح پر عملی کارروائی کے لیے طاقت ور بن جاتی۔

اسلامی اسٹیٹ کے قیام کا کام امام احمد رضا کا منصوبہ اس سے یک سر مختلف ہے۔ اسلامی معاشر یا مسلم جزیرے کی پالیسی کی حمایت صرف

سنّی مسلمان اس وقت سے کر رہے تھے جب سے خلافت کا خاتمہ ہوا تھا اور وجہ یہ تھی کہ حکومت اور معاشرہ دونوں اسلامی نہیں تھے۔ اگر سماج میں مسلم آئی لینڈ (علیحدہ اسلامی سماج) پنپ جاتا تو دھیرے دھیرے بغیر کسی طاقت یا سیاست کے یہ مسلم معاشرہ پھیل بڑھ کر پورے معاشرے پر چھا جاتا اور نتیجتاً حکومت اس سے متاثر ہوتی۔ اسے علما اور اولیا کی قیادت کو تسلیم کرتے ہوئے شرعی اصول پر عمل پیرا ہونا پڑتا۔[9]

جدید معاشرے کی تمام مشکلات مسلم جزیرہ (مسلم سماج، اسلامی دنیا) حل کر سکتا ہے۔ جیسا کہ تعصّب اور نسلی امتیاز کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے۔ یاد رکھیے کہ مسلم قوم یا امّتِ مسلمہ بذاتِ خود ایک بین الاقوامی اور مختلف برادریوں کی مشترکہ قوم ہے۔

"مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا"

امام احمد رضا کا منصوبہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے مقابلہ آرائی سے باز رکھتا ہے، لیکن انھیں ان کی قوم اور سماج میں ایک جزیرہ (علیحٰدہ اسلامی معاشرہ) عطا کرتا ہے جس میں وہ باوقار زندگی گزار سکیں۔

امام احمد رضا کے مسلم جزیرے (اسلامی معاشرہ) کے قیام کا نکتہ اسلامی روایات و تہذیب کو زندہ رکھنے کی ضمانت دیتا ہے۔ پورے سماج میں خالص اسلامی معاشرہ ایک خود مختار معاشرہ ہوگا۔ یہ حکومت اور حکومتی کنٹرول سے احتراز کرے گا۔ یہ اپنے اصول وضابطہ کو جاری کرنے والی سوسائٹی ہوگی۔ اس کے قائد خود عوام کے تسلیم شدہ ہوں گے اور یہ سخت گیرانہ وراثتی یا خاندانی حکومت و قیادت سے پاک سوسائٹی ہوگی۔ اس اسلامی جزیرے کا سچا حاکمِ اعلیٰ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہوگا۔ قرآن میں ارشاد ہوا "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ" حقیقتاً امام احمد رضا کا منصوبہ خود اس کی صراحت کرتا ہے کہ اس کو عمل میں لانے کے لیے کیا کرنا ضروری ہے؟[10]

اوّل: مسلمانوں کو حکومتی فیصلوں اور کچہریوں سے احتراز کرتے ہوئے اپنے معاملات باہم فیصلہ کرنا چاہییں تاکہ وہ علما اور اولیا کی آزادانہ قیادت کو پروان چڑھا سکیں۔

دوم و سوم: مسلمانوں کو آپس ہی میں خرید و فروخت اور اسلامی بینکنگ نظام قائم کرتے ہوئے قوم کو وسائل کی فراہمی کی خاطر قومی تشکیل و تنظیم کرنی چاہیے۔

چہارم: مسلمانوں کو علمِ دین سیکھتے ہوئے اس کی ترویج واشاعت کے ساتھ اسلامی قومیت کی تشکیل کرنی چاہیے۔ اس طرح اس وسیع کفری معاشرے میں ایک اسلامی معاشرہ پروان چڑھے گا اور ایک اسلامی جزیرے کو فروغ حاصل ہوگا۔[11]

امام احمد رضا نے ۱۹۱۲ء میں اپنے تصنیف کردہ رسالے "تدبیر فلاح و نجات و اصلاح" میں اس منصوبے پر عمل کرنے کے سلسلے میں کچھ امور خود بیان کیے۔ انہوں نے فرمایا کہ وسیع پیمانے پر اس منصوبے کی تشہیر کے لیے عوامی جلسے کرنا چاہیے۔ ہر فرد کو دوسروں کے انتظار کے بغیر خود اس پر عمل کرنا چاہیے اور یہ نہ سوچنا چاہیے کہ فردِ واحد کچھ نہیں کر سکتا۔ انہوں نے بتایا کہ معاشی بہتری کے لیے فضول خرچی سے احتراز کرتے ہوئے رقم پس انداز کرنی چاہیے۔ کاروبار و تجارت کی طرف توجہ دینی چاہیے اور زیادہ منافع خوری کے بجائے تجارت کو مستحکم کرنے پر توجہ مبذول کرنی چاہیے۔ مزید فرمایا کہ مسلمانوں کو علمِ دین کو بہ نظرِ حقارت نہ دیکھ کر تعلیم دینا اور کفری یونیورسٹیوں اور ڈگریوں کے پیچھے نہ بھاگنا چاہیے۔ مسلمانوں کو علمِ دین اور علما کو حقیر سمجھنے سے باز رہنا چاہیے۔ خود کو دیوالیہ پن سے بچائے رکھنے کے لیے خرچیلے قانونی معاملات اور کفری کچہریوں سے احتراز کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے اچھا برتاؤ کرنا چاہیے اور اپنے جھگڑوں کو شریعت کی روشنی میں فیصلہ کرنا چاہیے۔

اوّل یہ کہ مسلمانوں کو امّتِ محمدیہ (ﷺ) سے محبت کرنا اور محبت کا درس دینا چاہیے۔ قوم کو خود اپنی قدر و قیمت کی پہچان سیکھنی چاہیے۔ ہمیں امّتِ مسلمہ کو اپنا اور تمام عالم کا مرکز تصوّر کرنا چاہیے۔

دوم: مسلمانوں کو خود کو اپنی ذاتی، سیاسی اور قومی قیادت کی نشو نما کرنی چاہیے، یعنی قومی قیادت کے لیے علما اور اولیا کی تربیت اور نشو نما اور پہلے سے فریضۂ قیادت ادا کرنے والے حضرات کا احترام کرنا چاہیے، لیکن یہ علما و اولیا کی نشو و نما اور تربیت کا مرحلہ بہت ہی مشکل اور خاص قسم کا مرحلہ ہے اور اس کے لیے مکمل طور سے اسلامیات کی تعلیم و تربیت دینی پڑے گی اور تب تک ایک شخص تیس یا اس سے زیادہ عمر کا ہو جائے گا اور اس طرح کے سیکڑوں لوگوں کو تربیت دینی پڑے گی۔

سوم: مسلمانوں کو پورے طور سے اسلامی اداروں کی نشو و نما

(بقیہ صفحہ نمبر 54 پر ملاحظہ مائیں)

مضاربت کا مفہوم اور شرعی حیثیت

صبا نور (پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد، پاکستان)

مضاربت ایک فریق (رب المال) کے سرمائے اور دوسرے (مضارب) کی محنت سے کیے جانے والے ایسے کاروبار کا نام ہے جس میں سرمایہ رب المال کا اور محنت مضارب کی ہوتی ہے۔ نفع ہونے کی صورت میں دونوں فریق طے شدہ تناسب سے شریک ہوتے ہیں اور نقصان صرف رب المال کا ہوتا ہے۔ نقصان کی صورت میں مضارب اپنی محنت کا کوئی صلہ رب المال سے نہیں پاتا۔

مضاربت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ سرمایہ صرف ایک فرد کا ہو بلکہ افراد کا ایک گروہ بھی کسی ایک مضارب کو اپنا مال مضاربت کی بنیاد پر دے سکتا ہے اور اس طرح رب المال بھی کئی مضاربوں کو اپنا مال مضاربت پر دے سکتا ہے۔ مضارب اپنے سرمائے کو کاروبار میں لگا سکتا ہے۔ اس صورت میں نفع و نقصان کا حساب تناسب سے طے کیا جاتا ہے۔

مضاربت کے معاہدے کے لیے لازم ہے کہ مضارب کو مال کے تصرف پر مکمل اختیار ہو اور یہ اختیار یا تو مال کو اس کے حوالے کرنے سے دیا جائے یا اس کو مال استعمال کرنے کی صریح اجازت دی جاتی ہے۔ رب المال اور مضارب کے درمیان نفع کی تقسیم کسی بھی نسبت سے ہو سکتی ہے لیکن کسی بھی فریق کا حصہ حتمی طور پر مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ مضاربت رب المال کے سرمائے کو امانت تصور کرتا ہے اور کوئی بھی ایسا تصرف نہیں کرتا جو تمام کاروباری طور طریقوں سے ہٹ کر ہو۔ اگر مضارب بدنیتی یا بددیانتی کرے تو اس طرح کے نقصان کا وہی ذمے دار ہوگا۔

لغوی مفہوم

مضاربت کا مادہ ض۔ ر۔ ب ضرب بمعنی سفر کرنا ہے جس کے معنی زمین کے طول و عرض میں سفر کرنا ہے۔[۱] علامہ جرجانی التعریفات میں مضاربت کی تعریف یوں کرتے ہیں: "المضاربة مفاعلة من الضرب و هو السير في الارض و في الشرع عقد شركة في الربح بمال من رجل و عمل من آخر"[۲] مضاربۃ ضرب مصدر سے باب مفاعلۃ ہے جس کا مطلب ہے زمین میں چلنا پھرنا۔ شرعی لحاظ سے مضاربت منافع میں شرکت کا معاہدہ ہے جس میں سرمایہ ایک آدمی کا جبکہ محنت اور کام دوسرے آدمی کا ہوتا ہے۔ مضاربت کو "مقارضہ" بھی کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مقارضہ قرض سے ماخوذ ہے جو قطع کرنے یا کاٹنے کو کہتے ہیں۔ اس کو مقارضہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ رب المال راس المال سے اپنا ہاتھ قطع کر لیتا ہے اور مضارب کو سونپ دیتا ہے۔[۳]

مضاربت ایسے عقد کو کہتے ہیں جس میں ایک فریق کا مال ہوتا ہے اور دوسرا فریق اپنی محنت، قابلیت سے کاروبار میں شریک ہوتا ہے۔ عبدالرحمٰن الجزیری کے الفاظ میں: "مضاربت فقہا کے نزدیک دو فریقوں کے درمیان اس امر پر مشتمل معاہدہ ہے کہ ایک فریق دوسرے کو اپنے مال پر اختیار دے گا کہ وہ نفع میں ایک مقررہ حصّہ مثلاً نصف یا ایک تہائی وغیرہ کے عوض مخصوص شرائط کے ساتھ مال کو تجارت یا کاروبار میں لگائے۔"[۴]

امام احمد رضا بریلوی مضاربت کی تعریف یوں کرتے ہیں: "کسی اہلِ ہنود کو روپیہ تجارت کے لیے دیا جائے اور اسی طرح پر وہ کہے کہ جو نفع ہو اس میں سے نصف نصف تقسیم کر لیں گے، تو یہ طریقہ مضاربت کا ہے۔"[۵]

عقدِ مضاربت میں سرمائے کا نقد ہونا ضروری ہے۔ مضاربت اس طرح درست ہوتی ہے۔ احناف کے علاوہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک غیر نقدی اشیا بھی مثلاً کوئی بھی سامان وغیرہ کو بھی سرمایہ بنایا جا سکتا ہے۔ جمہور کے نزدیک غیر نقدی اشیا و سامان کو مضاربت کا سرمایہ نہیں بنایا جا سکتا۔[۶]

عقدِ مضاربت میں سرمایہ رب المال کا ہوتا ہے اور مضارب کام کرتا ہے۔ رب المال اپنے مال کو مضارب کے حوالے کر دیتا ہے۔ مضارب رب المال سے مال لینے کے بعد مختلف حیثیات کا مالک ہوتا ہے۔ مضارب پر لازم ہوتا ہے کہ وہ رب المال کی تمام ہدایات کی پابندی کرے۔ رب المال سے مال لینے کے بعد مضارب امین ہوتا ہے اور اس پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے کہ وہ سرمائے کی حفاظت کرے۔

مضارب رب المال کے مال کو تجارت میں استعمال کرنے کے بعد رب المال کا وکیل ہوتا ہے۔ مضارب پر لازم ہے کہ وہ رب المال کی تمام ہدایات پر پابندی کرے۔ مضارب رب المال کے حکم کی خلاف ورزی کرے یا غفلت اور کوتاہی کرے، اس صورت میں مضارب اپنی غلطیوں کے نتیجے میں نقصان کا ذمّے دار ہوتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے مضاربت فاسد ہوجائے تو مضارب اَجیر کے درجے میں ہوتا ہے اس کو اس کی محنت کی مزدوری ملتی ہے خواہ تجارت میں نفع ہو یا نہ ہو۔[7] ہدایہ میں ہے: "اگر مضارب نے اس مقصد کے خلاف کام کیا جس کے لیے اُسے مال دیا جاتا ہے تو یہ مال اور حاصل شدہ نفع رب المال کو واپس کردے۔ محنت کے معاوضے کا بھی اس کو حق نہیں کیونکہ مضارب غاصب ہے۔"[8]

مضاربت کی اقسام

مضاربت کو علماءِ کرام نے اسے دو قسموں میں تقسیم کیا: (۱) مطلق (۲) مقید۔ رب المال مضارب کو اگر یہ اختیار دے کہ وہ جس طرح مناسب سمجھے اس مال سے کاروبار کرے تو اس صورت میں مضارب لامحدود اختیارات کا مالک ہوجاتا ہے۔ اس کو مطلق مضاربت کہتے ہیں۔ لیکن اگر رب المال مضارب کو پابند کردے کہ فلاں شہر میں ہی مال فروخت کرو یا۔ اس کو خاص جنس متعین مشتری یا خاص زمانہ یا وقت کی قید لگادے تو وہ مضاربتِ مقیدہ کہلاتی ہے۔ مضارب خلاف ورزی کرنے کی صورت میں ذمّے دار ہوگا۔ رب المال کاروبار کے مفاد کو مدّنظر رکھ کر مضارب پر پابندیاں عائد کرسکتا ہے اور مضارب اس کی اتباع کا پابند ہوگا۔[9]

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ مضارب جہاں مناسب سمجھے مال لے کر جاسکتا ہے۔ اس میں رب المال سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن اگر رب المال مضارب کو مقید کردے کہ فلاں شہر ہی میں خرید و فروخت کرو یا فلاں موسم میں یا خاص فلاں شخص سے یا خاص مال کی تجارت کرو تو رب المال کی طرف سے لگائی گئی قید کی پابندی مضارب پر لازم ہوگی۔ اگر مضارب مخالفت کرے گا تو تاوان دے گا۔[10]

مضاربت کی شرعی حیثیت

مضاربت کی مشروعیت قرآن، سنت، قیاس، اجماع سے ثابت ہے۔
ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَ اٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ "[11] لوگ ایسے بھی ہیں جو زمین میں چل پھر کر خدا تعالیٰ کا رزق تلاش کرتے ہیں۔ اس آیت سے فقہانے مضاربت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ روح المعانی میں ہے: یضربون فی الارض سے مراد زمین میں تجارت کے لیے سفر کرنا ہے اور مسافرین فی الارض للتجارۃ کو مجاہدین کے ساتھ ذکر کرنے کا مقصد ہے کہ مجاہدین کے ثواب کی طرح تجار کے اَجر کی بھی وضاحت ہو۔[12]

علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں کہتے ہیں کہ مضارب زمین میں اللہ عزوجل کے فضل کی تلاش میں چلتا ہے۔[13] "فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ "[14] پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور خدا کا فضل تلاش کرو۔ "لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ "[15] تم کو اس میں بھی ذرا گناہ نہیں کہ معاش کی تلاش کرو۔ ان آیات سے بھی علامہ کاسانی نے مضاربت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

سنّتِ رسول ﷺ سے ثبوت

جوازِ مضاربت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ حضور پاک ﷺ کی بعثت کے بعد لوگوں کے ہاں مضاربت جاری رہی۔ یہ معاملہ عہدِ جاہلیت میں "قراض" کے نام سے موسوم تھا۔ قریش کا پیشہ تجارت تھا اور ان کے علاوہ کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا۔ وہ اپنا مال مضاربت پر ان لوگوں کو دے دیا کرتے تھے جو منافع میں ایک مقررہ حصّے پر تجارت کیا کرتے تھے۔ نبیِ کریم ﷺ نے اس کو اسلام میں جاری رکھا اور مسلمانوں نے اس پر عمل کیا۔

اُم المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو بہت مال دار خاتون تھیں اور ان کا مال تجارت کے لیے ملک شام بھیجا جاتا تھا وہ اپنا مال مضاربت پر دیا کرتی تھیں۔ جب نبی کریم ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال تجارت کی غرض سے لے کر گئے اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ میں آپ کو مال میں سے کئی گنا زیادہ دوں گی جتنا اس سے پہلے لوگوں کو دیتی ہوں تو نبی کریم ﷺ بصرہ کے بازار کی طرف مال لے کر گئے اور وہ سامان وہاں بیچا اور اس کے بدلے وہاں سے اور مال خریدا اور اس تجارت میں اتنی برکت ہوئی کہ پہلے کی نسبت بہت زیادہ نفع ہوا اور نبی کریم ﷺ کی وجہ سے اتنا نفع ہوا جتنا کہ وہ آپ ﷺ کے بارے میں سنتی تھیں یعنی نبی کریم ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال بطور مضاربت لے کر ملک شام گئے تھے۔[16]

مضاربت، نبی کریم ﷺ کے عمل سے شرعاً ثابت ہے اور جو لوگ مضاربت کا انکار کرتے ہیں وہ نبی کریم ﷺ کے عمل کا انکار کرتے ہیں جبکہ نبی کریم ﷺ خود لوگوں کو مضاربت پر آمادہ فرمایا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے عروۃ البارقی کو ایک دینار دیا کہ ایک بکری خرید کر لاؤ۔ عروۃ البارقی نے ایک دینار پر دو بکریاں خرید لیں۔ ایک کو ایک دینار پر فروخت کیا اور دوسری کو مع ایک دینار کے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا تو آپ ﷺ نے عروۃ البارقی کو اس خرید و فروخت پر برکت کی دعا فرمائی۔ اور فرمایا کہ اس کے بعد عروۃ البارقی اگر مٹی بھی خرید تا تو اس میں نفع پاتا۔ السنن الکبریٰ میں ہے نبی کریم ﷺ نے عروۃ البارقی کے لیے دعا کی۔[۱۷]

حضرت حکیم بن حرام کو نبی کریم ﷺ نے ایک دینار دے کر بھیجا تا کہ اس سے ایک قربانی خرید کر لائے۔ پس اس نے ایک دینار پر ایک قربانی خریدی پھر اس قربانی کو دو دینار پر بیچ کر نفع حاصل کیا۔ پھر ایک دینار کے بدلے قربانی خریدی اور ایک قربانی اور ایک دینار لے کر رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ایک دینار کو صدقہ کر لیا اور حکیم بن حرام کے لیے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کی تجارت میں اس کے لیے برکت عطا فرمائے۔[۱۸]

مضاربت کی شرعی حیثیت آثار صحابہ اور اجماع امت سے بھی ثابت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل کہ وہ یتیم کا مال مضاربت پر دیا کرتے تھے۔ علا بن یعقوب اپنے والد سے بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ کچھ سامان آیا ہے کیا آپ کچھ مال دیں گے کہ میں اس سے سامان خرید لوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ واقعی تم ایسا کرنا چاہتے ہو تو انہوں نے جواب دیا ہاں لیکن یہ بات ہے کہ میں ایک غلام ہوں۔ چاہتا ہوں کہ میں کچھ سامان تجارت خرید لوں تو جو نفع ہو گا وہ میرے اور تمہارے درمیان تقسیم ہو جائے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ٹھیک ہے، تو انہوں نے مجھے کچھ مال دیا سامان تجارت خریدنے کے لیے۔[۱۹]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ عمل تھا کہ وہ اپنا مال زید بن خلیدۃ کو مضاربت پر دیا کرتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا عمل تھا کہ وہ مضاربت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں صاحبزادے عبد اللہ اور عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک لشکر میں عراق کی جانب گئے۔ واپسی میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے ان دونوں کی مہمان نوازی کے بعد کچھ مال ان کے حوالے کیا اور فرمایا کہ عراق جا کر اس مال سے کچھ سامان اور چیزیں خرید لینا اور اس کے بعد مدینہ جا کر فروخت کر دینا اور اصل مال امیر المومنین کے حوالے کر دینا اور منافع تم رکھ لینا۔ چنانچہ جب وہ مدینہ پہنچے تو انہوں نے سامان فروخت کرنے کے بعد منافع اپنے پاس رکھ لیا اور راس المال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنا چاہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس تمام معاملے کی خبر ہوئی تو انہوں نے ان دونوں سے دریافت کیا کہ تمام لشکر کو تمہاری طرح مال دیا گیا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم امیر المومنین کے بیٹے تھے اس لیے تمہیں مال دیا گیا۔ آپ نے تمام مال اور اس کا منافع ادا کرنے کا حکم دیا تو حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے تو تعمیل کی لیکن حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا امیر المومنین! ایسا کرنا آپ کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اگر مال ہلاک ہو جاتا یا اس میں کوئی نقص پڑ جاتا تو ہم اس کے ضامن تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اپنی بات دہرائی تو حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ خاموش رہے، لیکن حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ اپنا موقف دہراتے رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک شریکِ مجلس نے کہا کہ آپ اسے مضاربت اور قراض کی صورت کیوں نہیں دے دیتے تو آپ نے آمادگی ظاہر کی۔ جس کے نتیجے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصل سرمائے کے علاوہ آدھا نفع وصول کرنے کے بعد بقیہ نفع حضرت عبد اللہ اور عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حوالے کر دیا۔[۲۰]

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد اللہ و عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تمام تر نفع دینا لازم نہ تھا۔ آپ نے تو اس کا اظہار خیال کیا تھا کہ تم راس المال کے ساتھ تمام نفع بھی بیت المال میں داخل کر دو۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ معاملۂ مضاربت کر لو۔ آدھا نفع بیت المال کے لیے اور بقیہ آدھا نفع ان دونوں کو دے دیا جائے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہو گئے لہٰذا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے یہ پوری طرح واضح ہو گیا کہ مضاربت شرعاً جائز ہے۔

اجماع سے بھی مضاربت جائز ہے۔ "جہاں تک اجماع کا تعلق

ہے تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ انہوں نے یتیم کا مال مضاربت پر دیا۔ ان میں سے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے ہم عصروں میں سے کسی کا ان پر اعتراض منقول نہیں اور ایسی بات اجماع ہوتی ہے۔"[۲۱] رسول اللہ ﷺ کے دور سے اب تک تمام ادوار میں لوگوں کا تعامل چلا آرہا ہے اور کسی نے انکار نہیں کیا۔

قیاس کی ایک نوع اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے کہ لوگوں کو مضاربت کی حاجت ہے کیونکہ کبھی انسان کے پاس مال ہوتا ہے لیکن تجارت کے طریقے سے ناواقف ہوتا ہے اور کوئی تجارت کے طریق سے واقف ہوتا ہے لیکن اس کے پاس مال نہیں تو اس عقد کی مشروعیت میں دونوں حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں۔

امام احمد رضا اور قانونِ مضاربت

مضاربت ایسا عقد ہے جس میں ایک فریق کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت ہوتی ہے۔ امام احمد رضا کے نظریات مضاربت فقہ حنفی سے موافقت رکھتے ہیں۔ کتاب المضاربت نے عقدِ مضاربت کن لوگوں کے ساتھ جائز ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو ذمیوں کے ساتھ بھی معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ مسلمان پر نقصان کی شرط حرام ہوتی ہے۔ امام احمد رضا نے کتاب المضاربت میں ان عنوانات سے متعلق بحث کی:

۱۔ عقدِ مضاربت کن لوگوں کے ساتھ جائز ہے؟
۲۔ مضاربت کی شرائط
۳۔ مضارب کے نفع کا بیان
۴۔ مطلق اور مقید مضاربت
۵۔ مضارب کن کن صورتوں میں ضامن ہوگا؟
۶۔ مضارب کو مال خلط کرنے کا اختیار کب ہوگا؟

امام احمد رضا فرماتے ہیں: مسلمانوں کے ساتھ مضاربت جائز ہے مگر نقصان کی شرط حرام ہے۔ عقدِ مضاربت میں دونوں کا مسلمان ہونا ضروری نہیں لہٰذا مسلمان و ذمی اور مسلمان و حربی مستامن (ف) کے درمیان مضاربت جائز ہے۔ عقدِ مضاربت میں نقصان مضارب کے ذمّے عائد کرنا جائز نہیں ہے مگر ہندو کے ساتھ نقصان کی شرط کر لینا بھی جائز ہے۔[۲۲]

شرائطِ مضاربت

عقدِ مضاربت کے لیے ضروری ہے کہ رب المال اور مضارب کے درمیان طے کیا جانے والے نفع کا حصّہ ایک عام نسبت سے ہو۔ اگر کوئی متعین رقم طے کرلی تو مضاربت فاسد ہو جائے گی۔

سائل نے امام احمد رضا سے پوچھا کہ اگر ایک شخص جو دوسرے لوگوں کے روپیہ سے تجارت کرے اور یہ طے کرے کہ ہر سال بعد تمام اخراجات پر جو نفع ہوتا ہے اس میں سے ایک تہائی نفع وہ خود محنت کے طور پر رکھ لے اور باقی تین تہائی نفع جن شرکا کا پیسہ ہے ان کو دے اور ان سے یہ معاہدہ کرے کہ ہر سال معین مقدار مثلاً بارہ روپے فیصدی سے کم نفع ہوگا تو اس کمی کو میں پورا کروں گا اور اس سے زیادہ جو بھی نفع ہوگا وہ تمہارا ہے تو اس معاہدے کی رُو سے نفعِ تجارت داخل ربا ہو جائے گا یا نہیں۔ امام احمد رضا اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ایسا معاہدہ حرام ہے اور جو بھی یہ معاہدہ کرے وہ گناہ گار ہے، اگرچہ کمی نہ ہو اس کمی کا پورا کرنا اس شخص کو حرام ہے اور زیادہ نفع لینا ان لوگوں کو جائز نہیں۔[۲۳]

عقدِ مضاربت میں اگر کسی ایک شخص نے نفع کی کوئی مقدار اپنے لیے متعین کرلی یا یہ شرط لگائی کے اتنے فیصد سے کم نفع ہوگا تو اس کمی کو پورا کیا جائے گا، زیادہ نفع ہونے کی صورت میں تمہارا ہے تو یہ عقد فاسد ہوگا۔ امام احمد رضا اپنے قول کی تائید میں درمختار اور ہندیہ کی عبارتیں پیش کرتے ہیں: "عقدِ مضاربت میں فریقین کے درمیان نفع کی کوئی مقدار متعین ہوئی تو مضاربت فاسد ہوگی اور عقد کے وقت دونوں کا حصّہ معلوم ہونا۔"[۲۴]

ربُ المال مضارب سے کہے کہ نصف نفع میرا ہوگا۔ یہ مضاربت فاسد ہوگی۔ ہندیہ میں ہے: "اگر ایک نے دوسرے کو کہا کہ نفع میں سے ایک سو درہم میرے ہوں گے یا نصف یا ثلث کے ساتھ مزید دس درہم کی شرط لگائی تو مضاربت صحیح نہیں ہوگی۔"[۲۵]

عقدِ مضاربت میں مضارب کے ذمّے نقصان کی شرط لگانا مضاربت کو فاسد کر دیتی ہے۔ رب المال اور مضارب کے درمیان نفع ایک متعین نسبت سے تقسیم ہوتا ہے، لیکن اگر مضاربت میں نقصان ہو تو مضارب نقصان کا ذمّے دار نہیں ہوتا۔ مضاربت میں اگر

نقصان ہو تو وہ سب رب المال کا ہوتا ہے اور مضارب اپنی محنت کا کوئی بدلہ یا کوئی حصّہ لینے کا حقدار نہیں ہوتا۔ مضاربت میں نفع ہو تو وہ نفع میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔

امام احمد رضا بیان کرتے ہیں: "مضاربت میں مضارب کے ذمّے نقصان کی شرط لگانا فاسد ہے۔ اگر مضارب بد دیانتی کرے یا غفلت کوتاہی کرے، اس صورت میں مضارب ذمّے دار ہے ورنہ مضارب مضاربت میں ہونے والے نقصان کا ذمّے دار نہیں۔ سب نقصان رب المال کی طرف رہے گا اور مضارب اپنی محنت و کوشش کا بدلہ بھی رب المال سے پانے کا مستحق نہیں ہوتا۔ اس کا بدلہ یہی ہوتا ہے کہ مضاربت میں نفع ہونے کی صورت میں وہ برابر کا شریک ہوتا ہے۔"[۲۶]

یعنی عقدِ مضاربت میں بعض شرائط مضاربت کو فاسد نہیں کرتیں بلکہ وہ شرائط فاسد ہوتی ہیں۔ عقدِ مضاربت میں اگر یہ شرط کر لی کہ نقصان مضارب اور رب المال پر ہوگا تو شرط باطل ہوگی اور مضاربت صحیح ہوگی۔ اس شرط فاسد میں قاعدہ ہے: اگر یہ شرط نفع میں جہالت کا سبب بنتی ہو وہ مفسدِ مضاربت ہے۔ ایسی شرط لگائی جائے جو موجب جہالت نفع یا موجب شرکت نہ ہو تو ایسی شرط سے عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود شرط باطل ہوتی ہے اور مضاربت صحیح ہوتی ہے۔

رب المال اور مضارب دونوں پر نقصان کی شرط فاسد ہوتی ہے کیونکہ نقصان صرف رب المال کے ذمے ہوتا ہے اور اس سے نفع کی جہالت حاصل نہیں ہوتی۔ اس شرط کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوگا۔ امام احمد رضا فتاویٰ ہندیہ اور عقود دریہ، ہدایہ کی عبارتیں پیش کرتے ہیں:

"فاسد شرطوں میں سے بعض شرائط مضاربت کو فاسد کرتی ہیں اور بعض شرائط باطل نہیں کرتیں۔" نہایہ میں قدوری نے کتاب المضاربہ میں فرمایا: ہر ایسی شرط جو نفع میں جہالت یا نفع میں قطع شرکت کا باعث بنے تو وہ مضاربت کو فاسد کرنے کا موجد بنے گی۔ جو چیز ایسی چیز کا باعث نہ ہو تو مضاربت کو فاسد نہیں کرے گی مثلاً دونوں نے یہ شرط لگائی کہ نقصان کو دونوں خود برداشت کریں گے۔"[۲۷] عقود دریہ میں ہے: "جب مضارب کو خسارہ ہو تو رب المال بھی خسارے میں شریک ہوگا۔"[۲۸] ہدایہ میں ہے: "ہر ایسی شرط جو نفع میں جہالت کا موجب بنے وہ مضاربت کو فاسد کرے گی کیونکہ یہ معقود میں اختلال ہے اور جو شرائط فاسدہ ایسی نہ ہوں وہ مضاربت کو فاسد نہیں کریں گی بلکہ خود باطل ہو جائیں گی مثلاً یہ شرط کہ نقصان مضارب پر ہوگا۔"[۲۹]

مضاربت کی شرائط میں ایک شرط یہ ہے:

۱۔ عقد مضاربت کے وقت راس المال کی مقدار معلوم ہونا شرط ہے۔[۳۰]

۲۔ رب المال، مضارب کو مجہول رقم دے دے جس کی مقدار معلوم نہ ہو تو یہ عقد فاسد ہوگا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "مضاربت کی صحیح شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ عقد کے وقت راس المال کا معلوم ہونا تاکہ بعد میں اختلاف نہ ہو۔۔۔ الخ"[۳۱]

۳۔ عقدِ مضاربت کے وقت اگر رب المال یہ شرط مضارب پر عائد کر دے کہ مجھے اتنا فیصد حصّہ تم ادا کرو گے چاہے مضاربت میں نفع ہو یا نہ ہو، کم ہو یا زائد۔ تم سالانہ یا ماہوار اتنا فیصد مجھے دیا کرو گے اور اس نفع سے زائد جو بھی نفع ہو وہ تم رکھ لیا کرو۔ اگر کم ہو تو اس کے ذمے دار بھی تم خود ہو۔ ایسی مضاربت فاسد ہوگی۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں: "نفع میں شرکت ختم ہو جانے کی بنا پر اور نقصان مضارب پر لازم کرنے کی بنا پر یہ دونوں صورتیں فاسد ہیں۔"[۳۲]

عقد مضاربت کے وقت مضارب کے حصّے کا تعیّن ہونا شرط ہے۔ اگر رب المال نے مضارب کا حصّہ متعیّن نہیں کیا تو اس صورت میں مضاربت فاسد ہوگی۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں: "عقدِ مضاربت کے وقت رب المال اور مضارب یہ طے کر لیں کہ مضارب نفع میں سے کتنا حصّہ لے گا۔ اگر حصّہ معلوم نہ ہو مثلاً رب المال مضارب کو اس شرط پر مال دے کہ جتنا نفع چاہے رب المال کو دے اور رب المال جتنا نفع چاہے مضارب کو دے، عقد فاسد ہوگا۔

اسی طرح اگر رب المال، مضارب کو یہ کہے کہ میں تم سے اتنے نفع پر مضاربت کرتا ہوں جیسے میں نے فلاں فلاں سے کی۔ مضارب کو اپنے حصّے کا معلوم نہیں تو ایسا عقد فاسد ہوگا حرام ہوگا۔"[۳۳] ہندیہ میں ہے: "کسی نے دوسرے کو ہزار درہم مضاربت پر دیے کہ جیسے فلاں فلاں نے آپس میں نفع شرط کر لیا، اس شرط کے مطابق یہ عقد ہے۔ رب المال اور مضارب دونوں کو ان کی شرط معلوم تھی تو مضاربت جائز ہوگی۔ اگر ایک کو وہ شرط معلوم تھی اور دوسرے کو نہیں ایسا عقد فاسد ہوگا۔"[۳۴] درمختار میں ہے: "مضاربت میں نفع غیر معیّن مقدار ہونا شرط ہے۔ اگر کوئی معیّن

مقدار طے ہوئی تو مضاربت فاسد ہوگی اور عقد کے وقت دونوں کا حصّہ معلوم ہونا شرط ہے۔"[۳۵]

عقدِ مضاربت میں رب المال اور مضارب کا حصّہ معلوم ہونا شرط ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:"عقدِ مضاربت میں رب المال اور مضارب کے درمیان یہ طے ہو جانا چاہیے کہ مضارب کتنا حصّہ لے گا۔ رب المال، مضارب سے یہ کہے کہ زید و عمرو کے درمیان باہم جتنے نفع پر مضاربت ہوئی اتنے نفع پر میں نے تجھ سے مضاربت کی یعنی اس میں مضارب کے حصّے کا تعیّن نہیں کیا گیا، ایسا عقد فاسد ہوگا۔ اگر وہ اسی مجلس میں طے کر لیں تو عقد جائز ہوگا۔ مجلس کے بدل جانے سے عقد میں ابہام رہے گا۔ حصّوں کا تعیّن نہ ہونے کی وجہ سے یہ عقد فاسد ہوگا۔"[۳۶]

مضارب کی حیثیتیں

مضارب، رب المال سے مال حاصل کرنے کے بعد مختلف حیثیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ جب رب المال سے مال حاصل کرتا ہے مضارب امین کے درجے میں ہوتا ہے۔ رب المال کے حکم سے سرمائے کو تجارت میں لگاتا ہے تو وہ رب المال کا وکیل ہوتا ہے اور رب المال اس کا موکل۔ مضارب پر لازم ہوتا ہے کہ وہ رب المال کی تمام ہدایات کی پابندی کرے۔ تجارت کرنے کے بعد نفع حاصل کرے تو مضارب، رب المال کا شریک ہے اور ایک طے شدہ تناسب سے نفع وصول کرنے کا حق دار ہوتا ہے۔ مضارب، اگر رب المال کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا یا کوئی غفلت یا کوتاہی برتے گا خود نقصان کا ذمّے دار ہوگا۔ در مختار میں ہے:"مضاربت ابتدا میں امانت کی کارروائی ہے۔ عمل کے بعد وکیل بن جاتا ہے۔ مضارب جب رب المال کے حکم سے اس کے مال میں تصرف کرتا ہے نفع حاصل کرنے کی صورت میں وہ شراکت بن جاتی ہے۔ مضارب خلاف ورزی کرے تو غصب بن جاتی ہے خواہ بعد میں رب المال اس کارروائی کو جائز بھی کر دے۔ اور مضاربت فاسد ہو جائے اس صورت میں مضارب نفع کا حق دار نہیں بلکہ اپنے عمل کے مطابق اُجرت کا حق دار ہوتا ہے۔"[۳۷]

حوالہ جات

۱۔ لسان العرب:۸/۳۶۔
۲۔ التعریفات:ص ۱۷۳۔
۳۔ الفقہ السنۃ:۳/۲۰۵،بدائع الصنائع:۸/۲۔
۴۔ کتاب الفقہ:۵۳۶/۲۔
۵۔ فتاویٰ رضویہ:۱۹/۱۲۵۔
۶۔ بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، کتاب القراض:ص ۹۱۳۔
۷۔ الفقہ السنہ: ۲۰۷/۳۔
۸۔ ہدایۃ: ۵۵۳/۳۔
۹۔ فتاویٰ رضویہ:۱۹/۱۳۵؛الفقہ السنہ: ۲۰۶/۳۔
۱۰۔ ایضاً: ۱۳۶/۱۹؛بدائع الصنائع: ۸/۳۔
۱۱۔ القرآن الحکیم: ۷۳/۲۰۔
۱۲۔ روح المعانی:۱۵/۱۲۶۔
۱۳۔ بدائع الصنائع:۸/۱۲۔
۱۴۔ القرآن الحکیم:۱۰/۶۲۔
۱۵۔ ایضاً: ۱۹۸/۲۔
۱۶۔ الفقہ السنہ:۳/۲۰۵۔
۱۷۔ السنن الکبریٰ:۶/۱۸۵۔
۱۸۔ اعلاء السنن:۱۶/۴۸۔
۱۹۔ کنز العمال،۱۵/۷۴؛ نیل الاوطار ۱۵۸/۲،رقم ۲۳۴۰۔
۲۰۔ الموطا، کتاب القراض، باب ماجاء فی القراض:ص ۳۶۶۔
۲۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع:۸/۳۔
(ف) وہ شخص جو دوسرے ملک میں امان لے کر گیا یعنی حربی دارالاسلام میں یا مسلمان دار الکفر میں امان لے کر چلا جائے تو وہ مستامن ہے۔
۲۲۔ دیکھیے : فتاویٰ رضویہ : ۱۹/۱۲۹۔
۲۳۔ ایضاً : ۱۹/۱۳۰۔
۲۴۔ در مختار : ۲/۷۴-۱۴۶۔
۲۵۔ فتاویٰ ہندیہ : ۴/۲۸۷۔
۲۶۔ فتاویٰ رضویہ : ۱۹/۱۳۱۔
۲۷۔ المرجع السابق : ۴/۸۸-۲۸۷۔
۲۸۔ العقود الدریہ : ۲/۷۲۔
۲۹۔ الہدایہ : ۳/۲۵۶۔
۳۰۔ فتاویٰ رضویہ،۱۹/ ۱۴۰۔
۳۱۔ دیکھئے: فتاویٰ ہندیہ : ۴/۸۶۔
۳۲۔ المرجع السابق : ۱۹/۱۳۳۔
۳۳۔ المرجع السابق : ۱۹/۱۳۴۔
۳۴۔ فتاویٰ ہندیہ : ۴/۲۸۸۔
۳۵۔ در مختار : ۲/۷۴-۱۴۶۔
۳۶۔ فتاویٰ رضویہ : ۱۹/۱۳۴۔
۳۷۔ در مختار : ۲/۷۴-۱۴۶۔

فتاویٰ رضویہ میں ایک فتوے کا منظوم فارسی خلاصہ

طاہرہ سلطانہ (ریسرچ اسکالر، اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، پاکستان)

فارسی ایک ہندیورپی زبان ہے جو ایران، افغانستان اور تاجکستان میں بولی جاتی ہے۔ اس کو ایران، افغانستان اور تاجکستان میں دفتری زبان کی حیثیت حاصل ہے اور ان ممالک میں مجموعی طور پر تقریباً ۷۲ ملین افراد کی مادری زبان بھی ہے۔ فارسی زبان عالمِ اسلام اور مغربی دنیا کے لیے ادب اور سائنس میں حصّہ ڈالنے کا ذریعہ رہی ہے نیز ہم سایہ زبانوں مثلاً اردو پر اس کے کئی اثرات ہیں، لیکن عربی پر اس کا رسوخ کم رہا ہے۔[۱]

فارسی نے موجودہ شکل کم و بیش تیسری صدی ہجری میں اختیار کی، لیکن یہ ایک آریائی زبان ہے اور اس کی تاریخ ایران میں آریوں کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ ایران میں آریوں کا داخلہ آج سے تقریباً ۴۳۰۰ سال قبل شروع ہوا، اور یہ سلسلہ ایک طویل عرصے تک جاری رہا لیکن جدید ترین تحقیقات کے مطابق ایران میں دو آریائی قبیلوں کا ذکر پہلی بار آشوری بادشاہ شلم نصر کے ایک کتبے میں ۸۴۶ ق م کے لگ بھگ ملتا ہے۔ یہ دو قبیلے "ماد" اور "پارس" تھے۔[۲] ایرانی زبانوں کی تاریخ میں یکے بعد دیگرے تین دور آئے ہیں: قدیم، متوسط اور جدید۔ فارسی میں یہ دور تاریخِ ایران کے تین بڑے ادوار سے متعین ہوتے ہیں:

۱۔ قدیم، ھخامنشی دور کے خاتمے (۳۳۰ ق م) تک

۲۔ متوسط، اشکانیوں کے آغازِ حکومت (۲۷۹ ق م) سے ساسانیوں کے خاتمے (۶۵۲ء) تک، جسے دور قبل از اسلام بھی کہا جا سکتا ہے۔

۳۔ جدید، ظہورِ اسلام کے بعد۔[۳]

عہدِ قدیم کی فارسی زبان ژند و پاژند و دساتیر میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ان کتابوں کے جو فقرات یا کچھ حصص ملتے ہیں ان کو جب عہدِ جدید کی فارسی سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو صاف طور پر دکھائی دے جاتا ہے کہ یہ الفاظ کیوں کر کیا سے کیا ہوتے گئے۔[۴] بعض محققین کا خیال ہے کہ ایرانی پیغمبر زرتشت قومِ ماد ہی میں پیدا ہوا اور اس کی کتاب اوستا کی زبان انہی کی زبان ہے۔[۵]

فارسی متوسط یا فارسی قبل از اسلام میں دو زبانیں تھیں: اشکانی پہلوی جو اشکانی عہد کی سرکاری زبان تھی، اور ساسانی پہلوی جو ساسانیوں کی سرکاری زبان تھی۔[۶] ساسانی پہلوی کو فارسی میانہ بھی کہا جاتا ہے۔ موجودہ فارسی کا ارتقا اسی زبان سے ہوا۔ فارسی اور پہلوی ایک دوسرے سے اتنی مشابہ ہے کہ اگر فارسی سے عربی الفاظ نکال دیئے جائیں تو وہ پہلوی زبان سے بہت قریب پہنچ جاتی ہے۔[۷]

فارسی زبان و ادب کی تاریخ میں بے شمار مسلمان فارسی دان گزرے ہیں جن کا مفصل تعارف اس مختصر مقالے میں ممکن نہیں ہے۔ میں ان میں سے صرف چند مصنفین و شعرا کا نام یہاں پیش کرتی ہوں جنہوں نے فارسی زبان و ادب میں ناقابلِ فراموش خدمات سرانجام دی ہیں۔

۱۔ حضرت سید علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا صاحب
۲۔ حکیم بو علی سینا
۳۔ امام غزالی طوسی
۴۔ حکیم سنائی
۵۔ امیر خسرو دہلوی
۶۔ حافظ شیرازی
۷۔ سعدی شیرازی
۸۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی
۹۔ مولانا جلال الدین رومی
۱۰۔ خواجہ فرید الدین عطار
۱۱۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر
۱۲۔ فردوسی طوسی
۱۳۔ شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال
۱۴۔ شبلی نعمانی

ان مشاہیر کی فارسی زبان و ادب سے متعلق خدمات سے فارسی دنیا واقف ہے۔ تاہم راقم السطور کی رائے میں فارسی زبان کے حوالے سے علما و مشائخ وہ طبقہ ہے جس کی ایک بڑی تعداد کو فارسی زبان و ادب میں خدمات کے لحاظ سے نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ ایسے ہی علما و مشائخ طریقت میں سے ایک شخصیت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی ہے جو ماضی قریب میں برصغیر پاک و ہند میں سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کی سب سے بڑی نمائندہ شخصیت ہیں۔

حضرت رضا بریلوی کے فارسی آثار

مولانا احمد رضا خان بریلوی معروف بہ "اعلیٰ حضرت" کی پیدائش اور

نشو و نما اس خاندان میں ہوئی جو علمی و عملی خاندان تھا، جہاں درس و تدریس وعظ و تقریر اور سب سے زیادہ تصنیف و تالیف، انشا تحریر کا دستور تھا۔ اس لیے آپ نے ہوش سنبھالتے ہی تصنیف و تالیف کا چرچا دیکھا۔ اس لیے قدرتاً آپ کی طبیعت کا میلان تدریس و تقریر سے کہیں زیادہ تصنیف و تالیف کی طرف تھا۔

آپ نے پچاس فنون و موضوعات پر عربی، اُردو، ہندی اور فارسی زبان میں تقریباً ایک ہزار تصانیف یادگار چھوڑیں۔ آپ کی وہ فارسی تصانیف جن کا ذکر علامہ محمد ظفر الدین رضوی بہاری نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "حیاتِ اعلیٰ حضرت" میں فہرست تصانیف کے تحت پیش کیا ہے ان تصانیف کے نام یہاں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ نائل الراح فی فرق الریح وریاح
۲۔ انوار الحلم فی معانی معیار استجب لکم
۳۔ سلب الثلب عن القائلین بطھارۃ الکلب
۴۔ لوامع البھا فی المصر للجمعۃ والاربع عقبیٰھا
۵۔ نعم الروم الضاد
۶۔ الصراح الموجز فی تعدیل المرکز
۷۔ الانجیب الانیق فی طرق التعلیق
۸۔ اعالی العطایا فی الاوضاع والزوایا
۹۔ تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب
۱۰۔ الجمل الدایرۃ فی خطوط الدایرہ
۱۱۔ تحلیہ السلم فی مسائل من نصف العلم الفرائض
۱۲۔ اکدا التحقیق بباب التعلیق
۱۳۔ البدور فی اوج المجذور
۱۴۔ مسفر المطالع للتقویم والطالع
۱۵۔ زاکی البھا فی قوۃ الکواکب وضعفھا
۱۶۔ حل المعادلات لقوی المکعبات
۱۷۔ کتاب الارثماطیقی
۱۸۔ جداول للریاضی
۱۹۔ الفوز بالامال الاوفاق والاعمال
۲۰۔ العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ
۲۱۔ البارقۃ الشارقہ علی المارقہ المشارقہ
۲۲۔ صنایع بدیعہ
۲۳۔ دیوان القصائد
۲۴۔ اکسیر اعظم (منظوم)
۲۵۔ سلسلۃ الذہب نافیۃ الارب (منظوم)
۲۶۔ نظم معطر (منظوم)
۲۷۔ وظیفۂ قادریہ (منظوم)
۲۸۔ حدائق بخشش (منظوم) [۸]

امام احمد رضا خاں کی عظیم الشان، نابغۂ روزگار تصنیف "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" جو ان کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے اس میں اکثر فتاویٰ اُردو زبان میں ہیں لیکن عربی، فارسی اور یہاں تک کہ انگریزی فتاویٰ بھی اس میں موجود ہیں۔ فتاویٰ رضویہ پر عربی و اُردو زبان میں بہت سے تحقیقی مقالات منظرِ عام پر آچکے ہیں، لیکن امام احمد رضا خاں کی فارسی زبان میں مہارت اور فارسی اشعار کے حوالے سے خاطر خواہ کام تا حال نہیں ہو سکا ہے۔ فارسی زبان وادب کے میدان کی اس تشنگی کو کم کرنے کے لیے میں نے فارسی زبان کی طالبہ کی حیثیت سے امام احمد رضا خاں کے فارسی آثار کی تدوین و تعارف کی کوشش کی ہے اور رضا بریلوی کی منظومات کے سلسلے میں ماہنامہ معارفِ رضا کے شمارہ دسمبر ۲۰۱۲ء میں "دیوانِ حافظ کی پہلی غزل پر تضمینِ رضا" کے عنوان سے خواجہ حافظ شیرازی کی ایک غزل پر حضرت رضا بریلوی کی تضمین مشمولہ 'حدائق بخشش' کا ترجمہ و جائزہ پیش کر چکی ہوں۔

چونکہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے فارسی منظوم و منثور فتاویٰ پر کوئی کام نہیں ہوا، اس لیے لوگ آپ کی فارسی زبان میں مہارت سے بے بہرہ ہیں۔ ان احباب کے لیے یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ میں تقریباً ۶۰۰ مقامات پر منظوم و منثور فارسی فتاویٰ خوبصورت و محققانہ انداز میں لکھے ہیں، جس سے آپ کی فارسی زبان پر مہارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ان منظوم اور منثور فتاویٰ میں ہر طرح کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے فتاویٰ رضویہ میں فارسی زبان وادب کے مشہور و معروف شعرائے کرام کے اشعار کو بھی انتہائی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

طہارت سے متعلق ایک فتوے کا منظوم فارسی خلاصہ

جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا، مولانا احمد رضا نے فتاویٰ رضویہ میں نثر میں فارسی فتاویٰ کے علاوہ مختلف مقامات پر منظوم فتاویٰ بھی لکھے

ہیں۔ فتاویٰ رضویہ (مع تخریج وترجمہ) مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور کی دوسری جلد میں مولانا احمد رضا نے طہارت سے متعلق ایک استفتا کا طویل جواب تحریر فرمایا اور جدت طبع سے کام لیتے ہوئے پورے جواب کا خلاصہ درج ذیل فارسی اشعار کی صورت میں نظم کیا ہے:

مائے مستعمل کہ طاہر نا مطہر وصف اوست
جامع و مانع حد او از رضا دو حرف شد
مطلقے کو واجب شستن زحدثے کاست یا
بربشر درقربت مطلوبہ عیناً صرف شد
راکدے کہ اینسان جدا شد از بدن مستعمل ست
لیک نزد بعض جوں قائم بجایا ظرف شد

اُردو ترجمہ

(۱) مستعمل پانی جو کہ خود پاک ہوتا ہے اور دوسرے کو پاک نہیں کرتا۔ رضا سے اس کی جامع ومانع تعریف دو باتوں سے ہوئی۔
(۲) جس سے مطلقاً حدث زائل ہوا ہو یا قربتِ مقصودہ کی نیت سے بدن پر استعمال ہوا ہو۔
(۳) قلیل پانی جب بدن سے جدا ہوا تو مستعمل ہو جائے گا لیکن بعض کے نزدیک بدن سے جدا ہو کر کسی جگہ یا ظرف میں اس کا قرار ضروری ہے۔[۹]

تشریح

استعمال شدہ پانی خود تو پاک ہوتا ہے یعنی وہ پانی جسے پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جاچکا ہو وہ خود پاک ہے لیکن دوسرے کو پاک نہیں کرتا یعنی اس سے دوبارہ پاکیزگی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ رضاؔ بریلوی کی اس جامع تعریف سے دو باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں:

یعنی وہ پانی جس سے طہارت حاصل کی گئی ہو اور ناپاکی کو دور کرنے کے لیے یا پاکیزگی کی حالت میں بدن پر استعمال کیا جائے۔ مثلاً وضو پر وضو کیا جائے تو ایسا پانی مستعمل (استعمال شدہ) کہلائے گا جو کہ خود تو پاک ہے لیکن پاک نہیں کر سکتا۔

قلیل یعنی تھوڑا پانی جب بدن سے جدا ہوا تو استعمال شدہ کے حکم میں ہو گا، لیکن اس مقام پر بعض فقہا کا قول یہ ہے کہ وہ پانی بدن سے جدا ہو کر کسی برتن وغیرہ میں گرے گا تو مستعمل کہلائے گا اور اگر کسی تالاب میں جو کہ دہ در دہ ہو یا رواں پانی میں گرے تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہو گا۔

فارسی شعر میں رضاؔ بریلوی کی انفرادیت

فارسی شعر میں فتاویٰ اعلیٰ حضرت کی انفرادیت کا اندازہ درجِ ذیل نکات سے ہوتا ہے۔

۱۔ ہم یہ بات دیکھتے اور پڑھتے چلے آرہے ہیں کہ ہر شخص کسی خاص فن میں مہارت رکھتا ہے، لیکن جب اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں کی فارسی شعر وشاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ آپ کا کلام مختصر ہونے کے باوجود ہر صنفِ سخن (غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی، قطعہ، منقبت) سے تعلق رکھتا ہے۔ انھوں نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی اور انتہائی کامیاب رہے۔ ہر صنف میں آپ کا کلام منفرد نظر آتا ہے۔

۲۔ علاوہ ازیں آپ نے تضمین نگاری بھی کی۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے باکمال انداز میں حافظؔ شیرازی کی غزل پر نعتیہ تضمین لکھی، جس کا اندازِ بیان عالمانہ ومحقّقانہ ہے۔

۳۔ حضرت رضاؔ بریلوی کا مذکورہ منظوم فارسی فتاویٰ فصاحت وبلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے، جس میں آپ نے ایک اہم اور پیچیدہ ترین مسئلہ جس کو بیان کرنے کے لیے سینکڑوں صفحات چاہییں، آپ نے فصاحت وبلاغت کے ساتھ محض چھ مصرعوں میں بیان کر دیا ہے، جس سے آپ کی فارسی نظم میں انفرادیت کا اظہار ہوتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ویب گاہ وکی پیڈیا (مورخہ ۱۵ جنوری ۲۰۱۳ء)۔
۲۔ فارسی زبان وادب کی مختصر ترین تاریخ، ڈاکٹر محمد ریاض، ڈاکٹر صدیق شبلی، ص ۱۔
۳۔ دائرۃ المعارف اسلامی، جلد ۳، ص ۶۶۹۔
۴۔ مثنوی ہشت بہشت (مع مقدمہ الانھار)، حضرت امیر خسرو، مقدمہ نگار: پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری، مطبوعہ لاہور، ص ۱۲۔
۵۔ فارسی زبان وادب کی مختصر ترین تاریخ، ڈاکٹر محمد ریاض، ڈاکٹر صدیق شبلی، ص ۱۔
۶۔ دائرۃ المعارف اسلامی، جلد ۳، ص ۶۷۰۔
۷۔ المرجع السابق۔
۸۔ حیات اعلیٰ حضرت، مولانا محمد ظفر الدین رضوی، جلد ۲، ص ۱۰—۴۹۔
۹۔ فتاویٰ رضویہ (مع تخریج وترجمہ عبارات)، امام احمد رضا خاں بریلوی، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، جلد ۲، ص ۴۷۔

مسئلہ اذانِ ثانی پر تائیدِ اعلیٰ حضرت، مخالفین کے قلم سے

میثم عباس قادری رضوی (لاہور، پاکستان)

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنّت، مجدِ دِ دین وملّت، مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی تخلیقات اور تحقیقی نگارشات میں ایک اہم اضافہ اس سنّت کا احیا بھی ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد سے باہر ہونا ہی سنّت کے موافق ہے۔ آپ نے اس موضوع پر نہایت وقیع دلائل جمع کر کے امّت کے سامنے پیش کیے ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلے میں علماے بدایوں سے اِختلاف ہو گیا اور موقع پاتے ہی علماے دیوبند نے اپنی سابقہ روش کے مطابق اس مسئلے کی آڑ میں اپنا غبار نکالنے کی بے تمیز کوشش کی۔ وہابیہ کے اس مخالفانہ طرزِ عمل کے متعلق سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اپنے خلیفہ مولانا عبد السلام جبل پوری کو فرماتے ہیں کہ "(وہابیہ) اس پیرایہ (انداز) میں اپنی مستمر (جاری رہنے والی) چہل سالہ سکوتوں (چالیس سالہ خاموشیوں) ہزیمتوں (شکستوں) کا عوض (بدلہ) لینا چاہتے ہیں حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔"[۱]

ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی صاحب اعلیٰ حضرت کے متعلق اپنا غبار نکالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "جمعہ کی اذانِ ثانی کو مسجد سے باہر کرنے کے لیے سب سے پہلے مولانا احمد رضا خان اُٹھے اور حضرت عثمان سے اختلاف کیا جو مسئلہ شیعہ کے سوا کسی کے ہاں اختلافی نہ تھا اسے اختلافی بنا دیا۔"[۲]

ڈاکٹر صاحب نے یہ تحریر سیّدی اعلیٰ حضرت کے بُغض میں سر تا پاڈوب کر لکھی ہے تا کہ سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو موردِ طعن بنایا جاسکے، لیکن ڈاکٹر صاحب اپنے مذموم مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتے؛ کیوں کہ سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سنّت کو زندہ کرنے کے لیے آواز اُٹھائی اور ایسا کیوں نہ ہو تا کہ اعلیٰ حضرت مجدّد ہیں اور مجدد کے متعلّق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی یہ بیان فرمادیا ہے کہ: ان اللہ تعالیٰ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔[۳] ترجمہ: "بیشک اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی پر ایسے شخص کو قائم کرے گا جو اس دین کو از سرِ نو نیا کر دے گا۔"

مسئلۂ اذانِ ثانی کے متعلق علمائے اہلِ سنّت و جماعت بریلی کی طرف سے لکھی گئی ان کتب کے نام ملاحظہ فرمائیں جو راقم کے پاس موجود ہیں:

۱۔ شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر، مولّف سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ، مطبوعۂ نوری کتب خانہ، دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور۔

۲۔ اوفی اللمعہ فی اذان یوم الجمعہ، مولف سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ۲۶ کامبیکر اسٹریٹ، بمبئی۔

۳۔ اذان من اللہ لقیام سُنّت نبی اللہ از افادات سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ، مرتب مولانا محبوب علی خان لکھنوی، مطبوعۂ رضوی کتب خانہ بازار صندل خان، بریلی شریف؛ ایضاً، مطبوعہ، دار الرضا، لاہور۔

۴۔ اجلی انوار الرضا مصنف حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ، مطبوعۂ مطبع اہلِ سنّت و جماعت، بریلی، بارِ اوّل؛ ایضاً، مطبوعہ نوری کتب خانہ، بازار داتا دربار، لاہور۔

۵۔ سدّ الفرار علی الصید الفرار، مصنف حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ، مطبوعۂ مطبع اہلِ سنّت و جماعت، بریلی، بارِ اوّل؛ ایضاً، مطبوعۂ دار العلوم رضائے خواجہ اجمیر شریف۔

۶۔ سلامۃ اللہ لاہل السنۃ من سیل العناد و الفتنۃ، مصنف حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا حامد رضا خان مطبوعۂ مطبع اہلِ سنّت، بریلی، بارِ اوّل

۷۔ مسئلۂ اذان کا حق نما فیصلہ، مصنف حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ، مطبوعۂ اہلِ سنّت و جماعت، بریلی۔

۸۔ وقایۃ اہل السنۃ عن مکر دیوبند والفتنۃ، مصنف مفتیِ اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ، مطبوعہ مطبعِ اہلِ سنّت و جماعت، بریلی، بارِ اوّل۔

۹۔ مقتلِ کذب و کید، مصنف مفتیِ اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ، مطبوعۂ مطبعِ اہلِ سنّت و جماعت، بریلی، بارِ اوّل۔

۱۰۔ مقتل اکذب اجہل، مصنف مفتیِ اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ، مطبوعہ مطبع اہلِ سنت و جماعت، بریلی۔

۱۱۔ نفی العار من معائب المولوی عبد الغفار، مصنف مفتیِ اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مطبع اہلِ سنّت و جماعت، بریلی، بارِ اوّل۔

۱۲۔ التحقیق الحسان فی احکام الاذان بجواب تنشیط الاذان، مصنف مولانا عرفان علی قادری بیسلپوری، مطبوعہ حسنی پریس، بریلی، بارِ اوّل۔

۱۳۔ اذانِ خطبہ کہاں ہو؟، مصنف حضرت علامہ مولانا حافظ عبد الحق خان رضوی مطبوعہ دائرۃ البرکات، کریم الدین پور، گھوسی، ضلع مؤ۔

۱۴۔ اَلمکَالِمَہ فی الاذانِ الثَّانِیْ یَومِ الجُمُعَہ از محدثِ اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ انجمنِ اشاعت الحق، بانڈ ہولی شہر، بنارس۔

۱۵۔ مسئلہ اذانِ ثانی جمعہ پر ایک دلچسپ مکالمہ مابین صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی و مولانا معین الدین اجمیری۔[۴]

حضرت علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے اعلیٰ حضرت کی تائید

حضرت علامہ عبد الحی لکھنوی (جو کہ علمائے دیوبند کے ہاں بھی مستند تسلیم کیے جاتے ہیں) نے بھی مسئلۂ اذانِ ثانی میں سیّدی اعلیٰ حضرت کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''بلاشبہ ابوداؤد کی روایت سے یہ امر ثابت ہے کہ اذانِ ثانی خارجِ مسجد روبروئے خطیب ہوتی تھی فان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبریوم الجمعۃ علی باب المسجد۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو مسجد کے دروازے پر اذان دی جاتی۔''[۵]

سرِ دست اس مضمون میں سیّدی اعلیٰ حضرت کے موقف کی تائید اور بعض علمائے دیوبند کے موقف کی تردید خود دیوبندی اور غیر مقلد وہابی علما کے قلم سے بیان کی جارہی ہے تاکہ اس مسئلے میں بھی سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی حقانیت ان کے مخالفین پر واضح ہوسکے کہ اگرچہ علماءِ دیوبند نے اس مسئلے میں سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا، لیکن پھر بھی بعض دیوبندی اکابر علما کو سیّدی اعلیٰ حضرت کے موقف کی صداقت کو تسلیم کرنے کے سوا چارہ نظر نہ آیا۔

دیوبندی علما کے قلم سے

۱۔ امام الدیابنہ مولوی عبد الشکور دیوبندی صاحب اپنی کتاب ''علم الفقہ'' میں جمعہ کی دوسری اذان کے متعلق حاشیے میں لکھتے ہیں: ''نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں یہ اذان بھی مسجد کے اندر نہ ہوتی تھی مگر عبد الملک نے اپنے زمانے میں اس کو مسجد کے اندر داخل کرلیا۔''[۶](ف)

۲۔ علمائے دیوبند کے مزعومہ ''امامِ اعظم'' مولوی انور شاہ کشمیری صاحب نے بھی مسئلۂ اذانِ ثانی کے مسجد سے باہر ہونے کے سلسلے میں سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو درست قرار دیا۔ مولوی احمد رضا بجنوری دیوبندی صاحب اپنے استاد مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ''تقریباً بیس اکیس سال پہلے احمد رضا خان نے اذانِ ثانی الجمعہ کے خارجِ مسجد ہونے کا فتویٰ دیا تھا اور صرف یہی مسئلہ ہے کہ اس نے حق کہا ہے۔''[۷]

۳۔ اس کے بعد کشمیری صاحب مسئلۂ اذانِ ثانی کے متعلق سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کے بارے میں تائید کرتے ہوئے مزید کہتے ہیں کہ: ''حضرت مولانا شیخ الہند سے میری اس مسئلے میں گفتگو ہوئی اور میں نے ان سے بھی یہی بات کہی تھی....... کہ یہ بات اس نے حق کہی ہے کیونکہ ابوداؤد میں تصریح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذانِ مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی (اندر نہ ہوتی تھی) اور اندر ہونے کی اصل بنی امیہ سے ہے اور چاروں مذاہب میں اندر ہونے کا سامان نہیں۔''[۸]

۴۔ اذانِ ثانی کے متعلق کشمیری صاحب حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ''میں حیران رہا اور سمجھا کہ (اذانِ ثانی کے داخلِ مسجد ہونے کے متعلق) اور کسی کے پاس کچھ سامان تو تھا نہیں۔''[۹]

۵۔ اسی سلسلۂ گفتگو میں انور شاہ کشمیری صاحب اذانِ ثانی کے داخلِ مسجد ہونے کو روکنے کے لیے کہتے ہیں کہ: ''بنی امیہ کے عمل کو گرنا چاہیے تھا مگر اب تک اسی پر عمل ہوتا آیا۔''

۶۔ علمائے دیوبند کے محدثِ کبیر اور فقیہ العصر مفتی شیخ فرید صاحب نے بھی اذان کے متعلق لکھا ہے کہ ''اذان کا مسجد سے باہر دینا اولیٰ ہے۔''[۱۰]

۷۔ مفتی عبد الحق دیوبندی صاحب بھی مسجد میں اذان دینے کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''بہتر یہ ہے کہ اذان مسجد سے باہر اونچی جگہ پر دی جائے لان بلالا رضی اللہ عنہ کان یوذن علی بیت امرءۃ من بنی النجار و کان اطول بیت حول المسجد کما فی ابی داود ص۷۷ و فی الھندیہ ص۵۷ جلد ۱ و ینبغی ان یوذن علی الماذنۃ اوخارج المسجد ولایوذن فی المسجد کذا فی فتاویٰ قاضی خان ''[۱۱]

۸۔ تنویر احمد شریفی دیوبندی صاحب بھی اذان کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''اذان مسجد کے باہر دینا مستحب ہے۔''[۱۲]

کہاں ہیں ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی صاحب جو کہ سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو موردِ طعن ٹھہراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''جمعہ کی اذانِ ثانی کو مسجد سے باہر کرنے کے لیے سب سے پہلے مولانا احمد رضا خان اُٹھے۔''[۱۳]

بتایئے، کیا دیوبندی مذہب میں سنّتِ نبوی کا احیا کرنا بھی قابلِ طعن سمجھا جاتا ہے؟

ایک دیوبندی اعتراض کا جواب گنگوہی صاحب کے قلم سے

رہا دیوبندیہ کا یہ اعتراض کہ اذانِ ثانی کے خارجِ مسجد ہونے پر تعامل رہا ہے تو اس کا الزامی جواب بھی دیوبندیوں کے ''امام'' اور ''فقیہ النفس'' مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی صاحب کی زبانی ملاحظہ کریں۔ گنگوہی صاحب جماعتِ ثانیہ کے متعلق لکھے گئے رسالے میں لکھتے ہیں کہ: ''قرونِ ثلثہ کے بعد کسی قرن میں بغیر کسی حجتِ شرعیہ قائم کیے کسی مصلحت کی وجہ سے کوئی بات پیدا ہوگئی اور اخلاف نے اسلاف کے اتباع کی وجہ سے اس پر عمل شروع کر دیا اور ہوتے ہوتے وہ مسلمات اور ضروریات کے درجے تک پہنچ گیا کہ چھوڑنا ضروریاتِ دین کو چھوڑنے کے برابر خیال کیا جانے لگا تو اس صورتِ عمل کو رواج کہتے ہیں۔ یہ کوئی دلیل نہیں ہوئی اور ہر گز قابلِ التفات نہیں ہوتا، اگرچہ علما نے بھی بلاتردد اس پر عمل کیا ہو۔''[۱۴]

اسی سلسلۂ گفتگو میں چند سطر بعد گنگوہی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ: ''توارث اجماعی بھی اُس وقت معتبر ہوتا ہے جبکہ تعاملِ صحابہ اور قرونِ ثلثہ کے خلاف نہ ہو اور ''مارأہ المسلمین'' اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے قولی، فعلی، تقریری اور صحابۂ کرام و تابعینِ ابرار و مجتہدینِ عظام علیہم الرضوان سے اس میں کوئی تصریح نہ ہو اور اگر ہو تو پھر مسلمانوں کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کو اس میں دخل نہ ہوگا، حتیٰ کہ مجتہدین کا اجتہاد بھی معتبر نہ ہوگا؛ چنانچہ شارحِ منیہ نے کہا ہے کہ روایت کے خلاف درایت لینا مناسب نہیں ہے۔''[۱۵]

اس کے علاوہ مولوی حکیم اسحاق بل یاوی دیوبندی صاحب بھی تعامل کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''غیر مشروع امور عرف وعادت سے مشروع نہیں ہوجایا کرتے۔''[۱۶] یہی حکیم صاحب اپنی کتاب کے آخری صفحہ پر مزید لکھتے ہیں کہ ''مسلمانوں میں جو چیز خلاف شرع رواج پا جاوے وہ رواج سے جائز نہیں ہوسکتی۔''[۱۷] رشید احمد گنگوہی اور مولوی اسحاق بل یاوی دیوبندی صاحب کے پیش کئے گئے اقتباسات سے یہ واضح ہوگیا کہ اگر کسی مسنون فعل کے خلاف کوئی فعل رواج پاجائے اور اس کو ضروریاتِ دین کے برابر سمجھا جانے لگے حتیٰ کہ مجتہدین بھی اس کے حق میں فتویٰ دے دیں تب بھی اس کا اعتبار نہیں ہوگا؛ لہٰذا، اذانِ ثانی کے متعلق تعامل والا شبہ ہر گز قابل مسموع نہیں۔ تعامل کے متعلق مزید وضاحت سیدی اعلیٰ حضرت کی کتاب ''شمائم العنبر'' میں ملاحظہ کریں۔

اور مولوی عبد الشکور لکھنوی اور مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحبان کے پہلے نقل کیے گئے حوالہ جات سے یہ ثابت ہوگیا کہ جمعہ کی اذانِ ثانی خلفائے راشدین کے دور میں خارجِ مسجد ہوئی تھی۔ ہشام بن عبد الملک نے اس کو داخلِ مسجد کیا، لہٰذا بقول گنگوہی صاحب اس خلافِ سنّت فعل پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔

غیر مقلد وہابی علما کے قلم سے

۹۔ مولوی محمد جوناگڑھی صاحب لکھتے ہیں کہ اذانِ ثانی ''بازار کی بلند جگہ کہلوائی جاتی تھی نہ کہ مسجد میں۔''[۱۸]

مولوی محمد جوناگڑھی صاحب کے موقف کے متعلق فتاویٰ ثنائیہ میں بھی لکھا ہے کہ: ''مولانا محمد صاحب دہلوی مرحوم اخبارِ محمدی یکم جنوری ۱۹۳۹ء پر اس اذان کو مسجد کے اندر کہلوانا بدعتِ سیئہ قرار دیتے ہیں۔''[۱۹]

۱۰۔ غیر مقلد حضرات کے شیخ الحدیث مولوی یونس دہلوی صاحب

جمعہ کی اذانِ ثانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "یہ اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے مسجد میں یہ اذان دینی بدعت ہے۔ حضرت عثمان نے مسجد سے باہر زوراابازار میں دلوائی تھی۔"[۲۰]

۱۱۔ غیر مقلد حضرات کے مشہور مولوی عبد الستار دہلوی صاحب جمعہ کی اذانِ ثانی کے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: "مسجد کے اندر خطیب کی آمد کے قبل اذان کہلوانا اذان عثمانی نہیں بلکہ اذان مروانی وبدعی ہے۔ اگر مسئلۂ ہذا کی مفصّل ومدلّل بحث دیکھنی منظور ہو تو دفتر صحیفۂ اہلحدیث سے رسالہ "اقامۃ الحجۃ ان النداء الثالث یوم الجمعۃ فی المسجد" منگوا کر ملاحظہ کریں۔"[۲۱]

۱۲۔ یہی مفتی عبد الستار دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: "خلفاءِ اربعہ کے بعد جب ہشام بن عبد الملک خلیفہ ہوا تو مروانیوں نے جہاں دیگر سننِ نبویہ کو درہم برہم کیا وہاں اذانِ عثمانیہ کو بھی خلافِ طریقۂ رسول وصحابہ کے مسجد میں جاری کر دیا (کذافی عون المعبود شرح ابوداؤد)۔ پس جو لوگ آج جمعہ کے دن مسجد میں اذانِ عثمانیہ کہتے یا کہنے کو جائز سمجھتے ہیں وہ اس میں سنّتِ رسول و سنّتِ صحابہ کے مخالف اور ہشام بن عبد الملک کے مقلد ہیں "کائناً من کان" صد افسوس کہ رسول اللہ ﷺ وخلفاءِ اربعہ کی سنّت کو چھوڑ کر ہشام بن عبد الملک کی سنّت کو ترجیح دیں اور اہلحدیث کہلائیں "ایں خیال است ومحال است وجنوں۔"[۲۲]

۱۳۔ اسی فتاویٰ ستاریہ میں ایک اور جگہ یوں لکھا ہے کہ: "جب ہشام بن عبد الملک خلیفہ ہوا تو مروانیوں نے جہاں دیگر سننِ نبویہ پر ہاتھ صاف کیا وہاں اذانِ ثانی کو بھی خلافِ طریقہ نبوی وخلفاءِ اربعہ کے بعد، مسجد میں جاری کر دیا۔" (کذافی عون المعبود شرح ابی داؤد وفتح الباری شرح صحیح البخاری)[۲۳]

۱۴۔ اس کے بعد مولوی عبد الستار دہلوی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ: "خلاصۃ المرام یہ کہ جو لوگ آج کل جمعہ کے دن مساجد میں اذانِ ثانی کہتے کہلواتے ہیں وہ اس میں سنّتِ رسول وسنّتِ صحابہ کے مخالف اور ہشام بن عبد الملک کے مقلد ہیں "کائناً من کان" تعجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ وخلفائے اربعہ کی سنّت پر ہشام بن عبد الملک کے طریقے کو ترجیح دیں اور پھر متبعِ رسول و متبعِ صحابہ کہلائیں "ایں خیال است ومحال است وجنوں۔"[۲۴]

۱۵۔ غیر مقلد مولوی ابو محمد عبید اللہ صاحب اذانِ ثانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دوسری اذان خارج عن المسجد ثابت ہے۔"[۲۵]

۱۶۔ غیر مقلد مولوی عبد الرشید صاحب لکھتے ہیں کہ یہ اذانِ ثانی "مسجد کے باہر ہوا کرتی تھی وہ مکان بازار میں ہے۔"[۲۶]

۱۷۔ غیر مقلد مولوی احمد اللہ صاحب اذانِ ثانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "دوسری اذان حضرت عثمان کے زمانے میں باجازتِ امیر المومنین کہی گئی خارج میں مقام زوراء پر۔ اگر اس طرح کہے جائز ہے اور اگر مسجد کے اندر کہی جائے تو یہ بدعت ہے۔"[۲۷]

مولوی احمد اللہ صاحب کے جواب کی تصدیق ۳ عدد غیر مقلد علمانے کی ہے ملاحظہ کریں:

۱۸۔ "الجواب صحیح" ابو عرفان محمد سلیمان عفی عنہ مرشد آبادی سند یافتہ مدرسہ دار الکتاب والسنہ۔

۱۹۔ "انا اقول بما قال بہ مولانا احمد اللہ" محمد بن عبد اللہ الندوی مدرس دار الحدیث الرحمانیہ۔

۲۰۔ "مولانا احمد اللہ صاحب کا جواب مناسب ہے۔" (عبد الغفور مدرس مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ)[۲۸]

۲۱۔ غیر مقلد وہابی مولوی ابو محمد عبد الجبار صاحب جمعہ کی اذان کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "حضرت عثمان نے اس اذان کو مسجد کے باہر مقام زوراء پر دلوایا تھا۔ اب جو لوگ اس اذان کو مسجدوں میں دلواتے ہیں، یہ بدعت ہے؛ کیونکہ مقام زوراء پر دلوایا تھا" کما لایخفی واللہ اعلم وعلمہ اتم ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلوی مدرس مدرسہ کھنڈیلہ حال وارد مدرسہ سلفیہ دربھنگہ صوبہ بہار۔"

۲۲۔ غربائے اہل حدیث کے امام ابو محمد مولوی عبد الوہاب صاحب غیر مقلد مولوی عبد الجبار صاحب کے فتویٰ کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: الجواب صحیح (حضرت الامام مولانا مولوی الحافظ الحاج ابو محمد عبد الوہاب عفی عنہ)[۲۹]

۲۳۔ غیر مقلد مولوی عبد الرحمٰن صاحب بھی اذانِ ثانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "حضرت عثمان نے جو اذان کہلائی تھی وہ مسجد میں نہ تھی، خارج مسجد تھی۔"[۳۰]

۲۴۔ مولوی عبد الرحمٰن صاحب کے اس جواب کی تصدیق کرتے

ہوئے غیر مقلد مولوی ابو عمار صاحب لکھتے ہیں کہ: "الجواب صحیح" ابو عمار عبد القہار غفرلہٗ مدرس مدرسۂ دار السلام، کراچی۔

قارئین کرام! علمائے دیوبند اور علمائے غیر مقلدین کے قلم سے یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی کہ جمعہ کی اذانِ ثانی کے خارج از مسجد ہونے کے متعلق سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا موقف سنّت کے موافق ہے۔

سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے والے علماءِ دیوبند سے سوال ہے کہ سنّتِ نبوی و سنّتِ خلفائے راشدین کو زندہ کرنے والے کو اس مبارک فعل کی وجہ سے طعن و تشنیع کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ یقیناً ایسا فعل قطعاً جائز نہیں ہو سکتا۔ پھر سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف زبان درازی اور اس قسم کے لغو اعتراض کا مقصد کیا ہے؟ دیابنہ سنّت کے عامل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن سنّت سے ثابت شدہ فعل کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں جیسا کہ مسئلۂ اذانِ ثانی یاللعجب۔

مسئلۂ اذانِ ثانی کی آڑ میں سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اپنا غبار نکالنے والے دیوبندی علما بالخصوص ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی صاحب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ جس مسئلے میں سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا موقف غلط ثابت کرنے کے لیے انہیں مطالعۂ بریلویت جلد نمبر ۷ کے کئی صفحات کو سیاہ کرنا پڑا وہی موقف اکابر دیوبند اور ان کے "ہم مخرج" بھائیوں سے ثابت ہوگیا اور یوں مطالعۂ بریلویت جلد ۷ کا اجمالی رد بھی ہوگیا۔ الحمد للہ۔ ڈاکٹر صاحب سے گزارش ہے کہ اگر آپ کو خدا اور سول (جلّ جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کی شرم نہیں تو اپنے اکابر کی ہی شرم کرلیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ مکتوباتِ امام احمد رضا خاں بریلوی، مرتب مولانا پیر محمود احمد قادری، صفحہ ۴۳، مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور۔
۲۔ مطالعہ بریلویت، جلد ۷، صفحہ ۷۴، دار المعارف، اردو بازار، لاہور۔
۳۔ ابوداؤد، کتاب الملاحم، ۲۳۳/۲؛ المستدرک ۵۲۲/۴۔
۴۔ ہفت روزہ دبدبۂ سکندری، رام پور، ۴ دسمبر ۱۹۱۶ء نمبر ۶ جلد ۵۳ صفحہ ۳ تا ۶، مشمولہ کتاب "تین تاریخی بحثیں"، مولف ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، برکاتِ رضا فاؤنڈیشن، ممبئی۔
۵۔ فتاویٰ عبد الحی، ج:۱، ص:۲۴۹، اردو مترجم مفتی برکت اللہ لکھنوی، ناشر ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی۔
۶۔ علم الفقہ، صفحہ ۱۶۰، حصۂ دوم، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی۔
(ف) **ضروری نوٹ:** نام کے متعلق یہاں مولوی عبد الشکور لکھنوی صاحب سے غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ صحیح نام ہشّام بن عبد الملک ہے۔
۷۔ انوار الباری، باب الاذان یوم الجمعہ، جلد ۱۷ صفحہ ۱۲۸، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔
۸۔ انوار الباری، باب الاذان یوم الجمعہ، جلد ۱۷، صفحہ ۱۲۸۔
۹۔ انوار الباری، باب الاذان یوم الجمعہ، جلد ۱۷، صفحہ ۱۲۸۔
۱۰۔ فتاویٰ فریدیہ، جلد دوم، صفحہ ۱۸۱، ناشر مہتمم دار العلوم صدیقیہ، زروبی، ضلع صوابی
۱۱۔ فتاویٰ حقانیہ، جلد ۳ صفحہ ۱۹۳، ناشر جامعہ دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک۔
۱۲۔ انگوٹھے چومنے کا مسئلہ دیوبند کی عدالت میں، صفحہ ۲۲ ناشر الامین، مسلم آباد، نیو ایم اے جناح روڈ، کراچی۔
۱۳۔ مطالعہ بریلویت، جلد ۷ صفحہ ۷۴، دار المعارف، الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
۱۴۔ القطوف الدانیہ، مشمولہ تالیفاتِ رشیدیہ، صفحہ ۴۷۷، ادارۂ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔
۱۵۔ القطوف الدنیہ، مشمولہ تالیفاتِ رشیدیہ صفحہ ۴۷۷۔
۱۶۔ قاطع الورید من المبتدع العنید ملقب بہ الابداع فی مسئلہ خطبۃ الوداع صفحہ ۸۹، مطبوعہ بلالی سٹیم پریس، ساڈھورہ۔
۱۷۔ قاطع الورید من المبتدع العنید ملقب بہ الابداع فی مسئلہ خطبۃ الوداع صفحہ ۸۹۔
۱۸۔ فتاویٰ ستاریہ، جلد سوم، صفحہ ۸۵، مطبوعہ مکتبۂ سعودیہ، حدیث منزل، کراچی۔
۱۹۔ فتاویٰ ثنائیہ، جلد اوّل، صفحہ ۴۳۶، ادارۂ ترجمان السنہ، ایبک روڈ، لاہور۔
۲۰۔ دستور المتقی فی احکام النبی صفحہ ۱۶۳، اسلامک پبلشنگ، اردو بازار، لاہور۔
۲۱۔ فتاویٰ ستاریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۹۶،۱۹۷ ناشر مکتبۂ سعودیہ، حدیث منزل، کراچی۔
۲۲۔ فتاویٰ ستاریہ، جلد ۱، صفحہ ۱۲۱۔
۲۳۔ فتاویٰ ستاریہ، جلد ۳، صفحہ ۸۳۔
۲۴۔ فتاویٰ ستاریہ، جلد ۳، صفحہ ۸۵، ۸۴۔
۲۵۔ فتاویٰ ستاریہ، جلد ۳، صفحہ ۸۵۔
۲۶۔ فتاویٰ ستاریہ، جلد ۳، صفحہ ۸۵۔
۲۷۔ فتاویٰ ستاریہ، جلدِ سوم صفحہ ۸۶۔
۲۸۔ فتاویٰ ستاریہ، جلدِ سوم، صفحہ ۸۶۔
۲۹۔ فتاویٰ ستاریہ، جلدِ سوم، صفحہ ۸۷۔
۳۰۔ فتاویٰ ستاریہ، جلدِ سوم، صفحہ ۸۷۔

قطبِ مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی

ملک شیر زمان القادری (کویت)

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت، مجددِ دین وملّت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کا سورج جب نصف النہار پر تھا پورے برِّصغیر کے عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ مرکزِ اہلِ سنّت بریلی شریف میں آکر اپنی اپنی استطاعت کے مطابق پیاس بجھا رہے تھے اور فاضلِ بریلوی بھی بڑی فراخ دلی سے عشقِ رسول ﷺ اور محبتِ نبی ﷺ کے جام بھر بھر کر لٹا رہے تھے۔ ہر کسی کو اپنی اپنی طلب اور حیثیت کے مطابق نوازا جا رہا تھا۔ ان اکابر ہستیوں میں ایک نامِ نامی حضرت مولانا ضیاء الدین احمد القادری کا بھی تھا جو کہ اپنے پیر ومُرشد کے جذبۂ عشق و محبتِ رسول ﷺ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بعد از زیارتِ مدینہ شریف کے یہاں سے واپس جانا گوارا نہیں کیا۔ ۱۲۹۴ھ بمطابق ۱۸۷۷ء میں سیالکوٹ کے علاقے کلاس والا میں آپ کی ولادت ہوئی۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جدِّ امجد تھے، جنھوں نے سب سے پہلے حضرت شیخ احمد سرہندی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کو "مجددِ الفِ ثانی" کا لقب دیا جو کہ بعد میں آپ کے اسمِ گرامی کا لازمی جزو بن گیا۔ کچھ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے گاؤں میں حاصل کی پھر مولانا غلام قادر بھیروی کے مکتب میں لاہور داخل ہوئے۔ تکمیل درسِ نظامی ۱۳۱۵ھ بمطابق ۱۸۹۸ء میں کی؛ جبکہ دورۂ حدیث پیلی بھیت (یوپی) میں اُس وقت کے معروف محدث حضرت علامہ وصی احمد سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مکمل کیا۔ اعلیٰ حضرت سے آپ کے روابط اسی دوران ہوئے چوں کہ محدثِ سورتی امام احمد رضا کے عقیدت مند تھے اور ہر جمعرات کو بریلی شریف جایا کرتے تھے اور جمعہ کی نماز کے بعد واپسی ہوتی تھی، لہٰذا مولانا مدنی بھی اپنے محدث اُستاد کے ساتھ جایا کرتے۔ اُس وقت سے فاضلِ بریلوی کے جذبۂ عشقِ رسالت مآب ﷺ سے ایسے متاثر ہوئے اور اعلیٰ حضرت کی عقیدت و محبت کا آپ پر ایسا رنگ چڑھا کہ پھر آپ نے اُنہی کا طریقہ اختیار کیا۔ اعلیٰ حضرت کو آپ نے کئی سال تک قریب سے دیکھا اور آپ کو بے لوث و مخلص پایا تو آپ نے اعلیٰ حضرت سے ارادت کی درخواست کی۔ فاضلِ بریلوی نے آپ کو ارادت و خلافت واجازت سے نوازا۔ بعدِ فراغت و اجازت بریلی شریف سے براستہ کراچی ہوتے ہوئے بغداد شریف کے لیے ۱۳۱۸ھ بمطابق ۱۹۰۰ء روانہ ہوئے۔ ۱۹۱۵ء تک کا عرصہ آپ بغداد شریف میں رہے اور حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دربار کی دربانی کی۔ اس دوران آپ پر جذب کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اُس وقت وہاں ایک طویل العمر بزرگ سید حسینی کُردی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ پر توجہ فرمائی اور آپ عالمِ ہوش میں واپس آئے تو آپ کو مدینہ شریف کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوا۔ مدینہ پاک آمد کے بعد آپ اس شہرِ منور کے جلووں میں ایسے گم ہوئے کہ پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے اور واپسی کا نام تک نہ لیا۔ سوائے حج کے مواقع کے اور دیگر چند ایک اہم شرعی ضروریات و مجبوریوں کے آپ کبھی بھی مدینہ پاک سے باہر نہیں گئے اور اسی در کے ہو رہے۔

راقم الحروف فقیر شیر زمان القادری ۱۹۷۹ء میں پہلی مرتبہ حجازِ مقدس کی زیارت سے بہرہ ور ہوا۔ سعودی عرب کے شہر تبوک میں ملازمت کے سلسلے میں وہاں تھا۔ اپنی کار تھی اور مہینے میں ایک بار مدینہ پاک کی زیارت ہو جایا کرتی تھی۔ بعد از زیارت حرم نبوی شریف حضرت قطبِ مدینہ کی بارگاہ میں بھی حاضری ہوتی۔ اُس وقت تک فقیر کسی شیخ طریقت سے بیعت نہیں ہوا تھا، کسی جگہ دل بھی نہیں لگتا تھا کہ پشاور کے ایک مہربان سید صاحب نے ایک طویل استخارہ اس مشکل کے حل کے لیے تجویز کیا اور احقر نے فوراً اُس پر عمل کیا تو رحمتِ خداوندی کو جوش آیا اور حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کے لطف و کرم اور حضور غوث پاک پیرانِ پیر دستگیر محی الدین ابو محمد سید شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی سرکار رضی اللہ عنہ کے سلسلۂ عالیہ قادریہ میں سیّدی قطبِ مدینہ کے ذریعے وتوسط سے داخلہ ملا۔ بیعت کے وقت سیّدی قطبِ مدینہ رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت پر پابندی کا درس دیا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ طریقت شریعت کے تابع ہے، شریعت کو سختی سے پکڑنے والا سب فتنوں سے محفوظ اور منزل کا راہی ہو جاتا ہے اور مخالفِ شریعت گمراہی کے گڑھوں میں گر جاتا ہے۔ یہی ہمارے مشائخ واسلاف کا طریقہ ہے۔ سیدی قطبِ مدینہ کی حیات عشقِ رسول ﷺ اور آداب واحترامِ مدینہ سے مرقوم

اور استقامت فی الدین سے عبارت ہے۔ معروف دانشور، مذہبی اسکالر وصحافی صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی جب پہلی مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے تو واپسی پر فرمانے لگے کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تمہاری عمر کتنی ہے تو بلامبالغہ عرض کروں گا کہ دس دن۔ پوچھنے والا بولے گا کہ جناب آپ لگتے تو پچاس برس کے ہیں لیکن اپنی عمر صرف دس دن بتارہے تو میں یہ عرض کروں گا کہ ہاں واقعی عمر تو میری اتنی ہی ہے لیکن حاصلِ حیات صرف دس وہ دن ہیں جو میں دیارِ حبیب ﷺ میں گزار آیا ہوں باقی تو سب اُس آرزو یا جستجو میں تھے۔

مختصر سے اس مقالے میں ایک صدی سے زیادہ طویل آپ کی حیاتِ مبارکہ، حالات وواقعات کا احاطہ ناممکن ہے۔ برکت کے لیے ایک واقعے پر اکتفا کرتا ہوں: کراچی کے ایک صاحب پہلی مرتبۂ مدینہ منورہ کی حاضری سے فیض یاب ہوئے تو بارگاہِ بے کس پناہ ﷺ میں جہاں اور اپنی ڈھیر ساری گزارشات عرض کیں، وہیں یہ عرضی بھی پیش کی کہ یارسول اللہ ﷺ ابھی تک کوئی شیخ کامل نہیں ملا۔ بس پھر کیا تھا اُسی رات سوئے تو بظاہر تو سو گئے لیکن درحقیقت قسمت بیدار ہوگئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دوجہاں کے سردار سرکارِ ابد قرار ﷺ حرمِ نبوی شریف میں جلوہ افروز ہیں اور بابِ مجیدی کے دروازے سے آپ ﷺ باہر تشریف لاتے ہیں کہ سامنے سے مولانا مدنی دوڑتے ہوئے آتے ہیں اور آپ ﷺ کے قدمینِ مبارک سے لپٹ کر رو رو کر عرض کرتے ہیں کہ آقا ﷺ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی حکم دیتے تو غلام حاضرِ خدمت ہوجاتا۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جس شخص پر آقا ﷺ اتنے مہربان ہیں کہ اُسے نوازنے کے لیے خود تشریف لاتے ہیں تو یہ اُس کی قُربِ بارگاہ کی دلیل ہے۔ اُس سے بیعت کرنی چاہیے۔

آپ کا آستانۂ عالیہ مصر، شام، ترکی، یمن، اُردن، برِّصغیر اور دیگر بلادِ اسلامیہ اور پوری دنیا کے اہلِ شوق مسلمانوں کی آماجگاہ تھا اور آپ مدینۂ منوّرہ حاضری دینے والے مہمانانِ رسول ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل کرتے تھے۔ آپ کے ہاں حاضری دینے والوں کی بھی ایک طویل فہرست ہے جو مختلف مواقع پر حاضر ہو کر آپ سے فیض بھی پایا اور خراجِ عقیدت بھی پیش کیا۔ آپ کے خلفا کی بھی ایک طویل فہرست ہے جو کہ پاک وہند، بنگلہ دیش، یورپ، امریکہ وافریقہ میں خدمتِ اسلام اور اہلِ سنّت والجماعت کی ترویج وترقی کے لیے کوشاں ہیں۔

رحمتوں، برکتوں اور حُرمت والے مہینے ذوالحجہ کا پہلا جمعہ، اُدھر حرمِ نبوی شریف سے مؤذن نے جمعہ کی اذان بلند کی اور جب حی الصلوٰۃ پر پہنچا تو ادھر اس عاشقِ صادق نے جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ انتقال سے چند لمحے قبل آپ کی زبان سے یہ الفاظ سُنے گئے کہ "حضور ضعیف ہوگیا ہوں، آپ کی تعظیم کے لیے اُٹھ نہیں سکتا۔ ان مہمانوں کے لیے جگہ چھوڑ دو۔ یہ خضر علیہ السلام ہیں۔ یہ ہمارے غوثِ اعظم آئے ہیں اور یہ میرے اعلیٰ حضرت تشریف لائے ہیں" اور پھر زبان پر کلمہ شریف جاری ہوگیا۔ (اناللہ وانّاالیہ راجعُون)

آپ کے صاحبزادے مولانا فضل الرحمٰن علیہ الرحمۃ اس عظیم صدمے کے موقع پر صبر واستقامت کا کوہِ گراں ثابت ہوئے اور تمام مراحل بہ احسن وخوبی نبھائے۔ جمعہ شریف کے دن ہی حرم نبوی شریف میں قدیمی محراب عثمانی میں آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی، امامت کے فرائض علامہ سید محمد علی مرادشامی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ادا کیے جو کہ آپ کے خلیفہ بھی تھے۔ بعد نمازِ جنازہ سرکار کے مواجہہ شریف میں جنازہ تھوڑی دیر برکت کے لیے رکھا گیا اور پھر قدمین شریفین سے ہوتا ہوا البقیع شریف میں اہلِ بیعتِ رسول ﷺ کے قدموں میں دفن کردیا گیا۔ آپ کی وصیت تھی کہ مجھے اہلِ بیعت کے قدموں میں ڈال دینا پھر میں خود اُن کے قدموں سے لپٹ جاؤں گا۔ جبکہ چند قبروں کے فاصلے پر آپ کے پیر بھائی مبلّغ اسلام مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بھی اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں آرام فرما ہیں۔ آپ کی وصیت یہ بھی تھی کہ میرے جنازے کے ساتھ سرکارِ ابد قرار کی شان میں کہا گیا اعلیٰ حضرت کا وہی نعتیہ قصیدہ پڑھا جائے جو اعلیٰ حضرت کی وصیت کے مطابق اعلیٰ حضرت کے جنازے کے ساتھ پڑھا گیا تھا۔

سیدی قطبِ مدینہ کو ۲۷ سال کا عرصہ ہوگیا ہم سے بچھڑے ہوئے، لیکن آپ کی یادیں، عنایتیں اور باتیں، ایسے لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو۔ پھر چند سال قبل آپ کے لختِ جگر بھی داغِ مفارقت دے گئے۔ اُنھیں دیکھ کر سیدی کی یاد تازہ کرلیتے تھے۔ اب آپ کے پوتے حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر رضوان مدنی آپ کی سجادگی کی ذمّے داریاں نبھا رہے ہیں جو کہ دینی اور دنیاوی دونوں علوم کے زیور سے آراستہ ہیں۔ وہی بزرگوں والی خوش اخلاقی اور ملنساری آپ کو ورثے میں ملی ہے۔ جبکہ ماشاءاللہ دیگر اہلِ مدینہ مشائخ کے ساتھ بھی آپ کے گہرے روابط ہیں۔

مکتوباتِ سید وجاہت رسول قادری بنام سید محمد عبد اللہ قادری

ترتیب: **سیّد محمد عبد اللہ قادری** (واہ کینٹ، پاکستان)

سیّد وجاہت رسول قادری

حضرت سید محمد وجاہت رسول قادری بن حضرت سیّد وزارت رسول قادری رضوی بن علامہ سیّد ہدایت رسول قادری برکاتی لکھنوی بن مولانا سیّد احمد رسول سورتی بن مولانا سیّد فضل رسول احمد آبادی بن مولانا سیّد عبد الرسول احمد آبادی ۱۶ر جولائی ۱۹۳۹ء کو بنارس میں پیدا ہوئے۔ والدہ کا اسمِ گرامی نظیر النساء بیگم بنتِ یٰسین خاں۔ آپ نے بنارس، مشرقی پاکستان، راجشاہی گورنمنٹ کالج میں تعلیم حاصل کی۔ میٹرک ۱۹۵۷ء، بی اے ۱۹۶۱ء، ایم اے اکنامکس ۱۹۶۳ء میں کیا۔ ۱۹۶۴ء میں پاکستان منتقل ہوگئے۔ ۱۹۶۶ء میں بطور آفیسر حبیب بینک میں ملازم ہوگئے۔ آپ کے دو صاحبزادے ہیں: سیّد سطوت رسول ازہر قادری، سیّد صولت رسول نور قادری۔ آپ اعلیٰ حضرت بریلوی قادری (الشاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز) کے نام پر قائم شدہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے صدر ہیں۔ ادارے کے بانی حضرت سیّد ریاست علی قادری بریلوی علیہ الرحمۃ تھے۔ آپ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے روحِ رواں ہیں۔ آپ کے برادرانِ عزیز سیّد صباحت رسول قادری اور سیّد ریاست رسول قادری رضوی نوری بھی ادارے کے معاونین میں شامل ہیں۔

سیّد صاحب علیہ الرحمۃ کراچی میں مقیم ہیں۔ اپنے علمی، ادبی کاموں سے ایک جہاں کو فیض یاب فرمارہے ہیں۔

سیّد محمد عبد اللہ قادری

راقم السطور سید محمد عبد اللہ قادری بن سیّد نور محمد قادری (مئی ۱۹۲۵ء۔ نومبر ۱۹۹۶ء) بن حضرت مولوی حافظ سید محمد عبد اللہ شاہ قادری بخاری (م۔ ۵ دسمبر ۱۹۴۱ء) بن حضرت مولوی سید محمد چراغ شاہ سیالکوٹی (م ۱۸۸۷ء) رحمۃ اللہ علیہم۔ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۵۶ء کو چک نمبر ۱۵ شمالی ضلع گجرات ر حال منڈی بہاء الدین پنجاب پاکستان میں پیدا ہوا۔ ۱۹۷۳ء میں میٹرک، ۱۹۷۶ء میں ایف اے کیا اور ۱۹۷۶ء میں ہی پاکستان ملٹری اکاؤنٹ ڈیپارٹمنٹ (PMAD) میں ملازم ہوا۔ ۵ ستمبر ۱۹۸۱ء کو سلسلۂ قادریہ میں اپنے خاندان کے روحانی پیشوا حضرت قاضی سلطان محمود قادری آوان شریف گجرات (م۔ مئی ۱۹۱۹ء) کے سجادہ نشین وبرادرزادہ حضرت صاحبزادہ حضرت صاحبزادہ محبوب عالم قادری آوانی (م۔ دسمبر ۱۹۸۲ء) کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوا۔

علم وادب کا شغف مجھے ورثے میں ملاہے۔ میں جو آج کچھ لکھنے کے قابل ہوں اس میں تین شخصیات کی خصوصی توجہ اور عنایات کا ثمر ہے۔ والدِ گرامی قدر سیّد نور محمد قادری، حکیم محمد موسیٰ امر تسری اور حضرت ابو الطاہر فدا حسین فدآ لاہوری رحمۃ اللہ علیہم۔ ستمبر ۱۹۸۱ء تا نومبر ۱۹۸۳ء مجھے حضرت حکیم محمد موسیٰ امر تسری ۵۵ ریلوے روڈ لاہور کے ہاں رہنے کا موقع میسر رہا۔ میرے دو بیٹے ہیں: سیّد محمد مسعود عبد اللہ قادری، سیّد محمد نور عبد اللہ قادری۔

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۶ر مضان المبارک ۱۴۱۲ھ۔ ۱۱ مارچ ۱۹۹۲ء

محترم ومکرم عبد اللہ قادری صاحب مدظلہ!

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ، امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ ادارے کی تازہ مطبوعات کا تحفہ پیشِ خدمت ہے۔ ملنے پر اپنی آرااور مشوروں سے ضرور ادارے کو نوازیں:

۱۔ معارفِ رضا کراچی، ۱۹۹۱ء/ ۱۴۱۲ھ۔
۲۔ الشیخ احمد رضا خاں البریلوی، ڈاکٹر محمد مسعود احمد ۱۹۹۱ء۔
۳۔ یادگارِ سلف (علامہ مفتی تقدس علی خاں) مرتبین: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، صاحبزادہ وجاہت رسول قادری، مئی ۱۹۹۱ء۔
۴۔ فقیہِ اسلام بحیثیت عظیم شاعر وادیب، پروفیسر مجید اللہ قادری ۱۹۹۱ء
۵۔ اعلیٰ حضرت کے معاشی نکات، پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی (انگریزی)
۶۔ امام احمد رضا خاں بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت، مولانا کوثر نیازی (انگریزی)

۷۔ Neglected Genius of the East، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مخلص

سیّد وجاہت رسول قادری

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۸ شوال ۱۴۱۳ھ۔ ۲۲ اپریل ۱۹۹۲ء (کراچی)

محترم و مکرم سید محمد عبد اللہ قادری صاحب مد ظلہٗ۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

کتب کے حصول پر شکریے کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ یاد آواری کا ممنون ہوں۔ آپ نے ادارے کی کارکردگی کو سراہا اور دعاؤں سے نوازا، جزاکم اللہ۔ آپ نے محترم و مکرم سیّد نور محمد قادری مد ظلہٗ پر مقالہ لکھ کر نہایت اہم کارنامہ انجام دیا ہے کہ آنے والی نسلوں کی رہنمائی کے لیے اپنے بزرگوں کے حالات قلم بند کرنا اہم کام ہے کہ نسلیں ان کے نقشِ قدم پر چل کر زندگی سنواریں۔

ادارہ چونکہ صرف امام احمد رضا اور اُن پر کیے گئے تحقیقی کام کی اشاعت کرتا ہے لہٰذا معذرت۔ ہاں مجلس رضا یا دیگر ادارے موجود ہیں۔ آپ اُن سے رابطہ فرمائیں۔ اگر لائبریری کے لیے مسوّدے کا عکس ارسال کرنا مناسب سمجھیں تو کرم ہو گا۔

والسلام

وجاہت رسول قادری عفی عنہ

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یکم دسمبر ۱۹۹۲ء (کراچی)

محترم و مکرم سید محمد عبد اللہ قادری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا رجسٹرڈ کے بین الاقوامی سطح پر بڑھتے ہوئے ریسرچ ورک اور ادارے کے ذخیرۂ مخطوطات وکتب سے استفادے کی غرض سے اسکالرز کی کثرتِ آمد کے پیشِ نظر ادارے کا دفتر اب قلبِ کراچی "صدر" میں درج ذیل مقام پر منتقل ہو گیا ہے؛ لہٰذا آئندہ خط و کتابت اور رابطہ اس پتے پر فرمائیں۔ شکریہ!

"ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا۔ ۲۵۔ جاپان مینشن، دوسری منزل، پریڈی اسٹریٹ، ریگل چوک، صدر، کراچی، ۷۴۴۰۰"

والسلام، آپ کا مخلص

سید وجاہت رسول قادری عفی عنہ

(صدر)

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا رجسٹرڈ، کراچی

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ۔ ۱۶ اپریل ۱۹۹۷ء

محترم و مکرم سید محمد عبد اللہ قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے بفضلہٖ آپ کے مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔ حال ہی میں جناب محمد عبد القیوم خاں طارق سلطان پوری صاحب حسن ابدال سے کراچی تشریف لائے تھے۔ ان کی زبانی آپ کے والدِ ماجد علامہ سید نور محمد قادری علیہ الرحمۃ کے سانحۂ ارتحال کی خبر موصول ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علّیین میں ان کو بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔ حضرت علامہ صاحب [سید نور محمد] ہمارے اسلافِ کرام کا نمونہ تھے۔ علم و ادب اور دین و مسلک کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں ان کی خدمات قابلِ ستائش ہیں، خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ اور علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ سے ان کی محبت ان شخصیات سے متعلق ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا وہ اپنے اطراف میں مسلکِ حقّہ کے سچے علم بردار اور مبلغ تھے۔ ان کے وصال سے اہلِ سنّت اچھے قلم کار اور مبلغ سے محروم ہو گئے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو ان کا صحیح معنوں میں جانشیں بنائے اور ان کے چھوڑے ہوئے کام کو آگے بڑھائے اور ان کے مشن کو پھیلانے کی توفیق و ہمت اور وسائل عطا فرمائے۔ آمین! بحرمت سید الابرار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم۔

فقیر اور ادارے کے تمام اراکین کی طرف سے دلی تعزیت قبول فرمایئے۔

والسلام آپ کا شریکِ غم

وجاہت رسول قادری عفی عنہ

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی

یکم اگست ۱۹۹۷ء

محترم و مکرم صاحبزادہ سید محمد عبد اللہ قادری

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

بحمد اللہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۷ء کراچی میں بخیر وخوبی منعقد ہوئی اور کامیابی سے انجام پذیر ہوئی۔ کانفرنس میں ملک کے جید علما و فضلا، اسکالرز اور دانشور و مفکرین نے نہایت علمی و تحقیقی مقالے پیش کیے۔

سامعین میں ممتاز علما، فضلا، قانون دان، جج صاحبان اور دانشور حضرات نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ ٹی وی، اخبارات، ریڈیو اور پریس کے نمائندے بھی خاصی تعداد میں شریک تھے۔ اس موقع پر ادارۂ ہٰذا نے نہایت علمی و تحقیقی کتب شائع کیں جو کہ ارسالِ خدمت ہیں۔

امید ہے کہ بعد از مطالعہ اپنے قیمتی مشوروں سے و نیز کتب کی رسید سے مطلع فرمائیں گے۔

۱۔ سالنامہ معارف رضا ۱۹۹۷ء۔

۲۔ مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۷ء۔

نوٹ: آپ کا مضمون معارفِ رضا ۱۹۹۷ء کے صفحہ نمبر "۱۵۵" پر زینتِ اشاعت ہے۔

منتظرِ جواب، آپ کا مخلص

سیّد وجاہت رسول قادری

(صدر)

(۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۹۷ء

محترمی و مکرمی جناب سید محمد عبد اللہ قادری صاحب زید مجدہٗ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

امید ہے بفضلہٖ مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے، آپ کا مکتوب والا مورخہ ۲۱/ اگست ۱۹۹۷ء موصول ہوا۔ ادارے کی مطبوعات وصول ہوئیں۔ اطمینان ہوا، مطالعے کے بعد تاثرات اور تجاویز سے ضرور آگاہ فرمائیں۔ "معارفِ رضا ۱۹۹۷ء کے لیے آپنے والدِ ماجد سید نور محمد قادری علیہ الرحمۃ کے سلسلے میں جو مضمون تحریر کریں اس میں مسلکِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی علمی، ملّی اور دینی کارناموں کے حوالے سے حضرت نور محمد قادری علیہ الرحمۃ کی قلمی اور تبلیغی خدمات کا خصوصی ذکر ضرور ہو چونکہ "معارفِ رضا" میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے حوالے سے ہی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ ادارے کے تمام احباب خصوصاً پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی، عزیزی ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب، اقبال احمد اختر القادری وغیر ہم سلام مسنون پیش کرتے ہیں۔

والسلام

نیاز مند

سید وجاہت رسول قادری عفی عنہ

(۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۴ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ۔ ۲۵ نومبر ۱۹۹۷ء (کراچی)

محبّی و مکرمی سید محمد عبد اللہ قادری زید مجدہٗ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

امید ہے بفضلہٖ مزاجِ ہمایوں بخیر ہوں گے۔ مکتوب والا مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۹۷ء موصول ہوا۔ ساتھ ہی علامہ سید نور محمد قادری علیہ الرحمۃ کا مقالہ "اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ملّی خدمات" بھی موصول ہوا۔ مطالعہ کیا تاریخی شہادتوں اور مستند حوالوں سے مزین ہے۔ ان شاء اللہ العزیز "معارف رضا ۱۹۹۸ء" میں شاملِ اشاعت ہو گا۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے حوالے سے صاحبِ مضمون رحمۃ اللہ کے جو بھی غیر مطبوعہ مخطوطات ہوں وہ ہمیں بھیجتے رہیں، تمام احباب آپ کو سلام کہتے ہیں۔ وہاں کے محبین کو فقیر کا سلام نیاز۔

والسلام

آپ کا مخلص

سیّد وجاہت رسول قادری عفی عنہٗ

(۸)

۷ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ۔ ۱۸ جنوری ۲۰۰۶ء (کراچی)

محبّی و عزیزی سید محمد عبد اللہ قادری زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے مزاجِ گرامی بفضلہٖ بخیر ہوں گے۔ ایک مدتِ دراز کے بعد آپ کا محبت نامہ باصرہ نواز ہوا۔ طبیعت مسرور ہوئی۔ معارف رضا کی تحسین کا شکریہ۔ "مکتوباتِ مسعودی" سمیت ادارے کی اور مطبوعات پیشِ خدمت ہیں۔ مولانا سیّد ریاست علی قادری علیہ الرحمۃ پر ایک کتابچہ بنام "تذکرہ صاحبِ فیضِ رضا" شائع کیا تھا۔ لائبریری میں نسخہ موجود ہے۔ اضافی کاپی مل گئی تو بھیج دی جائے گی۔

معارفِ رضا سالنامہ کے لیے کوئی تحقیقی مقالہ تحریر فرمائیں تو خوشی ہو گی۔ یا پھر اپنے والدِ ماجد [سید نور محمد قادری] کی رضویات کی خدمات کے حوالے سے کوئی نئی اور غیر شائع شدہ تحریر عنایت فرمائیں۔

والسلام مع الاکرام
آپ کا مخلص
سیّد وجاہت رسول قادری عفی عنہ

(۹)

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی

۱۲ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ۔ ۱۱ فروری ۲۰۰۶ء

محبِّ من جناب سیّد محمد عبد اللہ قادری زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، امید ہے بفضلہٖ مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔ مکتوب مورخہ ۲۲۔ جنوری ۲۰۰۶ء موصول ہوا۔ مطبوعات کی رسید کی اطلاع ملی اطمینان ہوا۔

معارفِ رضا سالنامہ ۲۰۰۶ء مکمل ہو چکا ہے۔ آپ کے فرستادہ دو مضامین ان شاء اللہ کسی قریبی اشاعت میں شامل کرنے کی سعی کی جائے گی۔ حضرت مولانا سید نور محمد قادری کی شاعری پر اگر، "امام احمد رضا کی شاعری کے اثرات" کے عنوان سے مضمون (تحقیقی) لکھا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۶ء کراچی میں انشاء اللہ ۲۵ر مارچ کو ہو رہی ہے کامیابی کے لیے دعا فرمائیں۔

والسلام مع الاکرام
سید وجاہت رسول قادری عفی عنہ

[**حواشی:** "سیّد نور محمد قادری کی شاعری" میرے والدِ گرامی قدر سیّد نور محمد قادری بن حافظ سیّد محمد عبد اللہ شاہ قادری رحمۃ اللہ علیھم [۱۳ر مئی ۱۹۲۵ء۔ نومبر ۱۹۹۶ء] خود شاعر نہیں تھے۔ اس کے باوجود وہ بہت اچھے سخن فہم و سخن شناس تھے۔ شاعری کی جانچ پرکھ میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ شاعری کے حوالے سے انہوں نے درج ذیل کتب تحریر کی تھیں، جو اُن کی سخن فہمی کا ایک واضح ثبوت ہے:

۱۔ نقوشِ محبت (شعری انتخاب) ناشر کتب خانہ ابن عبد اللہ چک نمبر ۱۵ر شمالی گجرات ۱۹۷۲ء
۲۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر، مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ، لاہور، ۱۹۷۵ء۔
۳۔ اُردو کی بہترین نعتیہ غزلیں، فضل نور، اکیڈمی چک سادہ شریف، گجرات۔

میرے والد گرامی مرحوم کے حقیقی چچا مولوی سید محمد نور اللہ نور سیالکوٹی بن مولوی سید محمد چراغ شاہ سیالکوٹی شاعر تھے۔ "چشمۂ نور" کے مصنف تھے۔]

(۱۰)

۲۳ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ۔ ۲۲ فروری ۲۰۰۶ء (کراچی)

محبی و عزیزی گرامی قدر سید محمد عبد اللہ قادری سلّمہ اللہ الباری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

امید ہے بفضلہٖ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ والا نامہ مورخہ ۱۶ فروری موصول ہوا۔ آپ نے مکتوباتِ سید محمد ریاست علی قادری بنام سید نور محمد قادری کا ایک نایاب خزانہ عطا فرمایا۔ فقیر اور ادارہ آپ کے اس تحفے کے لیے ممنون ہے۔ برادرم محترم پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری زید عنایتہ نے بھی اس کے حصول پر مسرت کا اظہار فرمایا اور اب یہ طے پایا کے جن اکابرین اور محققین کے پاس سید صاحب علیہ الرحمۃ کے خطوط ہیں ان کو جمع کر کے "مکاتیبِ ریاست علی قادری" کے نام سے شائع کیا جائے۔ اس میں رضویات پر تحقیق کے حوالے سے کارآمد معلومات قارئینِ کرام کو ملیں گی۔ ان شاء اللہ آئندہ کانفرنس ۲۰۰۷ء تک اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے گا۔ محترم ڈاکٹر مجید اللہ قادری اور دیگر احباب سلام پیش کرتے ہیں۔

والسلام مع الاکرام
آپ کا مخلص
سید وجاہت رسول قادری عفی عنہ

(۱۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۴ر ربیع النور ۱۴۲۹ھ۔ ۱۳ مارچ ۲۰۰۸ء (کراچی)

محبّی و مکرمی سیّد محمد عبد اللہ قادری حفظہ اللہ الباری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے بفضلہٖ تعالیٰ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ مکتوب والا مورخہ ۸؍مارچ موصول ہوا۔ کاشف احوال ہوا۔ معارفِ رضا سالنامہ کی وصول یابی کی خبر سے اطمینان ہوا۔ دیگر مطبوعات بھی روانہ کی گئی ہیں۔ وصول یابی سے مطلع فرمایئے گا۔ بہتر ہو کہ آپ ہماری کتب پر فرداً فرداً اپنے نقد و نظر تحریر کر کے بھیجا کریں جو ہم معارفِ رضا ماہنامہ میں شائع کر دیں گے۔ ۲۰۰۷ء کا سیٹ علیحدہ سے روانہ کیا جارہا ہے۔ ۲۰۰۷ء کا سالنامہ آپ کے پاس موجود ہے۔ معارف رضا کی رکنیت سازی کی طرف توجہ فرمائیں اور ہماری مطبوعات کی نکاسی کی طرف بھی ملتفت ہوں تاکہ ادارے کو خسارے سے نکالا جاسکے۔ آپ جیسے محب اس طرف دھیان نہ دیں گے تو کون دے گا۔ کم از کم مقامی طور پر معارفِ رضا کے دس ممبران اور مطبوعات کے دس سیٹ کے فروخت کی ہر ماہ کوئی صورت پیدا فرمائیں۔ رضویات کی نشرواشاعت کے لیے فنڈ کی فراہمی بھی اشد ضروری ہے۔

والسلام مع الاکرام

سیّد وجاہت رسول قادری عفی عنہ

(۱۲)

۱۷شوال المکرم ۱۴۳۳ھ۔ ۵ستمبر ۲۰۱۲ء

جناب سید عبد اللہ قادری المحترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے مزاجِ گرامی بفضلہٖ تعالیٰ بخیر ہوں گے۔ خط ہذا کے ساتھ آپ کے ملاحظہ کے لیے چند چیزیں ملفوف ہیں:

۱۔ تذکرہ مولانا سید وزارت رسول قادری علیہ الرحمۃ
۲۔ حمدیہ قطعے دو عدد
۳۔ نعت شریف تین عدد مختلف بحروں میں
۴۔ چار منقبتیں
۵۔ حجۃ الاسلام [مولانا شاہ حامد رضا خاں قادری] کے ایک خط کا عکس
۶۔ محدثِ اعظم پاکستان کے ایک خط کا عکس

۲ سے ۶ تک ایک علیحدہ سیٹ بھی جو آپ حضرت طارق سلطانپوری زید مجدہٗ کو بھجوادیں۔ امید ہے ملاحظہ فرما کر اپنے تاثراتِ عالیہ سے مستفیض فرمائیں گے۔

حضرت طارق سلطانپوری زید عنایتہٗ کی علالت کا سن کر تشویش ہے۔ اب وہ واہ کینٹ سے نقلِ مکانی کر کے دوبارہ (حسن ابدال) منتقل ہوگئے ہیں۔ ان کی گراں قدر علمی وادبی خدمات ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

فقیر کا سلامِ محبت انہیں پہنچادیجیے گا۔

والسلام مع الاکرام

آپ کا مخلص، احقر العباد

وجاہت رسول قادری عفی عنہ

(۱۳)

محبی جناب سیّد محمد عبد اللہ قادری گرامی قدر کے نام

جنابِ سیّد نے کیا ہی اچھی لکھی ہے اک بے نوا کی مدحت
رضاؔ کے صدقے میں آج اس بے ہنر نے پائی ہے کیسی شہرت
خدا کے بندے پہ شکر واجب خدا کا اور بندہ خدا کا
الحمد للہ، کرم تمھارا بڑھائی اک بے بصر کی عزّت
خدا کا فضل و کرم ہے تم پر تمہارے گھر اور اَبّ وجدّ پر
گھرانہ علم و فضل کا مرکز، یہاں سے جاری ہے دین کی خدمت
جنابِ نورِ محمد القادری تھے علم و ادب کے پیکر
رضاؔ و اقبالؔ کے تھے عاشق، ہو ان کے مرقد پہ رب کی رحمت
جہل کی ظلمت میں وہ تھے بیشک منارہ علم و دین و حکمت
مزاجِ فقر و غنا کا پر تو عمل تھا ان کا ولی کی سیرت
جنابِ سیّد دعا یہ کیجیے، کہ وقتِ رخصت رہے سلامت
رضاؔ کی نسبت، نبیؐ سے الفت ہمارے دل میں خدا کی عظمت
معاملہ ہے نظر کا، دل کا کہ بھا گئے ان کو شعر تاباںؔ
یہ ان کا حسنِ نظر ہے جس نے بڑھائی میری غزل کی وقعت

نوٹ: محترم سید محمد عبد اللہ قادری زید مجدہٗ نے فقیر کی شاعری پر ایک تاثراتی مضمون تحریر فرمایا، جو مئی ۲۰۱۲ء کے معارفِ رضا میں شائع ہوا۔ ان سے اظہارِ امتنان و تشکر کے لیے احقر نے یہ نظم لکھی ہے۔

سیّد وجاہت رسول تاباںؔ قادری

کراچی۔ ۳۱مئی ۲۰۱۲ء

*****

حياة الشيخ أحمد رضا خان البريلوي رحمه الله

فرقان أحمد قادري شامي (كراتشى)

إن الأرض الهند الخصبة منذ أن طلع فجر الإسلام في ربوعها بتعاليمها المثالية الثمينة، أنجبت كثيرا من العلماء النوابغ في كل فرع من فروع العلم والمعرفة حتى تجاوز عددهم إلى آلاف، فلا ترى منطقة من مناطقها إلا وفيه جم غفير منهم،وكانوا ولا يزالون بالدعوة الإسلامية الصحيحة، والخدمات الدينية المهمة، بحماستهم الإيمانية ومن هؤلاء الصفوة من العلماء شخصية ذات جوانب علمية كثيرة،هي شخصية الشيخ أحمد رضا خان البريلوي الحنفي،الذي يعد من كبار الفقهاء الأحناف بعموم الهند في القرن الرابع عشر الهجري.

وُلد الشيخ أحمد رضا يوم الإثنين،العاشر من شهر شوال عام ١٢٧٢هـ الموافق ١٤ من يونيو سنة ١٨٥٦مـــ، بمدينة "بَرَيْلِي" بالهند، عرف بريلوي نسبة إلى موطنه بريلي. فقد نشأ الشيخ رحمه الله في حجر والده مفتي نقي علي خان وهو أحد أعيان علماء البلد، وعرف بصغره برجاحة العقل وحصافته، وقوة الذاكرة، فكانت نشأته في بيت العلم والعلماء، ودرس في مدرسة والده (مصباح التهذيب).

وقد اتجه منذ حداثة سنه ونعومة أظفاره إلى العلم، فبدأ بحفظ الحديث والمتون وهو دون عشر سنين، وتعلم القرآن وعلوم العربية منذ صغره،حتى بدأ يتكلم اللغة العربية الفصحى وعمره أقل من عشرة سنوات أيضا، ولقد درس الشيخ على صفوة الأساتذة، وفرغ من التعلم وجلس للتدريس والإفتاء وعمره لم يتجاوز أربع عشر سنة، ولم يزل بعد تخرجه يبحث ويدرس أنواعا من العلوم والفنون. ومن أشهر مشائخه:

١ـ جده الأمجد الشيخ مفتي رضا علي خان (١٢٨٢ه)
٢ـ الشيخ عبد العلي رامفوري (١٣٠٣ه).
٣ـ الشيخ أحمد بن زيني الحلان الشافعي المكي (١٢٩٩ه).
٤ـ الشيخ عبد الرحمن سراج مفتي الحنفية بمكة المكرمة (١٣٠١ه).

وقد بايع الشيخ رحمه الله في الطريقة القادرية على يد الشيخ آل رسول الماهروي سنة ١٢٩٤هـــ ونال منه الإجازة والخلافة في السلاسل كلها، وكان الشيخ آل رسول (١٢٩٦ه) من تلامذة الشيخ عبدالعزيز المحدث الدهلوي صاحب ''تحفة اثني عشرية'' وغيرها من تصانيف العلية.

حجّ الشيخ أحمد رضا خان رحمه الله سنة ١٢٩٠ه مع والده الكريم، فطلب مفتي الشافعية في المسجد الحرام الشيخ حسين ابن صالح جمل الليل أن يترجم كتابه في أحكام الحج (الجوهرة المضيئة) إلى اللغة الأردوية، فترجمه وعلق عليه. وفي نفس الزيارة التقى مع الشيخ أحمد بن زيني الحلان الشافعي المكي.

وحجّ ثانيا عام ١٣٢٣ه واستقبله علماء الحرمين استقبالا حافلا، وأخذوا إجازة في الحديث، والفقه، والعلوم الأخرى حيث يقول صاحب نزهة الخواطر: ((وأسند الحديث...عن السيد أحمد بن زيني الحلان الشافعي المكي، والشيخ عبد الرحمن سراج مفتي الأحناف بمكة، والشيخ حسين بن صالح جمل الليل، وذاكر علماء الحجاز في بعض المسائل الفقهية والكلامية، وألف بعض الرسائل أثنا إقامته بالحرمين، وأجاب عن بعض المسائل التي عرضت على علماء الحرمين، وأعجبوا بغزارة علمه وسعة اطلاعه على المتون الفقهية، والمسائل الخلافية، وسرعة تحريره وذكائه)).

فلما سئل في علم النبي ألف كتابه (الدولة المكية

بالمادة الغيبية) باللغة العربية، وكانت مسألة النقود الورقية موضع النقاش في بلاد الحرمين، واستفتي فيها، فألف الشيخ رسالة دون مراجعة أيّ كتاب، وسمّاه: (كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم) في اللغة العربية.

وكما كان الشيخ مجمعاً فعّالاً في الكتابة والتأليف، كذلك كان مدرسةً قائمةً بذاتها، تخرّج فيها الفقهاء والمحدّثون والدُّعاة، والمفكّرون. وقد رتّب ملكُ العلماء الشيخ ظفر الدّين البهاري- تلميذ الشيخ أحمد رضا والمجاز منه- فهرسَ تلامذة الشيخ، وذلك لم يقتصر على الطلاّب فحسب، بل العلماء أيضاً الذّين استفادوا من الإمام، كما الشيخ عبد الرّحمن بن أحمد الدّهان المكّياستفاد منه في علم الجَفَر، والشيخ عبد الرّحمن الأفندي الشّامي، وحضر الشيخ السيّد حسين ابن السيّد عبد القادر الطرابلسي المدنيلدةَ "بَرَيْلي" وأقام بها أربعةَ عشرَ شهراً، فتلقّى علمَ الجَفَر وعلمَ الأوفاق وعلمَ التكسير، وصنّف له الشيخ رسالة مسمّاة بـــ"أطايب الإكسير في علم التكسير" باللّغة العربيّة.

ارتحل الشيخ إلى رحمه الله في ٢٥ صفر المظفر ١٣٤٠ه/١٩٢١م وقت صلاة الجمعة أوان قول المؤذن "حيّ على الفلاح" ببلدة "بريلي". لقد صدق من قال: "موت العالم موت العَالَم" ولكن هذا المرتحل لم يكن عالما فقط،بل كان عبقريّ الإسلام، فترك فراغا لا يملأ، ويستمر الفراغ إلى الآن.

ماخذ

١ـ (بالتصرف) نزهة الخواطر : عبد الحي بن فخر الدين اللكنوي (١٣٤١هـــ)، برقم ٣٢: ٨/١٨٠ـ١٨٢، دار ابن حزم.

٢ـ الفتاوى الرضوية : التحقيق والتعريب: محمد مهربان باروي، ص ١٩ـ٢٠، دارالكتب العلمية بيروت.

(بقیہ صفحہ نمبر 31 سے ملحق)

کرنی چاہیے۔ ہمیں علما کی قیادت والی عدالتِ شرعیہ قائم کرنی چاہیے یعنی جامعہ ازہر مصر کی طرح مسجد ومدرسہ کے نظام کو رائج کرنا چاہیے۔ زکوۃ وفطرہ کے ذریعے غربا کی امداد اور ان کے سماجی امور کو پورا کرنا چاہیے۔ خواتین اور نوجوانوں کی تعلیم وتربیت وغیرہ کا انتظام ہونا چاہیے۔ طریقت کو فروغ دینا چاہیے۔ تاریخ گواہ ہے کہ صوفیائے کرام نے طریقت کے نظام کے تحت قومی وملّی تنظیم کا کیسا کارنامہ انجام دیا ہے۔ جب اس طرح کے ادارے کام کریں گے تو امام احمد رضا کے منصوبے کو عمل میں لانا آسان ہو گا۔ [۱۲]

امام احمد رضا کا منصوبہ لاکھوں کی فلاح کا منصوبہ ہے جو ساتھ مل کر اللہ کی اس زمین پر حکومتِ الٰہیہ والا معاشرہ اور نظام قائم کریں گے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے مسلمان اگر اس منصوبۂ رضا پر عمل کرتے ہیں تو وہ صرف اپنی مسلم کمیونٹی میں ہی خوش آمدید کیے جائیں گے۔ اس پر عمل کرنے کے لیے شعوری طور پر کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ کی اصلاحات پر عمل پیرا ہو کر ایک مومن صالح اپنے ماضی کی سنہری روایات ومعمولات سے رشتہ برقرار رکھ کر اس روشنی میں اپنے حال اور مستقبل کو خوب تر بناتے ہوئے اپنی عاقبت سنوار سکتا ہے اور اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے مسلم معاشرہ کے لیے مفید اور فیض رساں ثابت ہو سکتا ہے۔ اللہ رب العزت ہم لوگوں کو قوم وملت کی فلاح وبہبود کا جذبہ وافر عطا فرمائے۔ آمین!

حوالہ جات

۱۔ سوانح امام احمد رضا، علامہ بدرالدین احمد، ۱۹۸۷ء، ص ۹۵۔

۲۔ ایضاً، ص ۹۹۔

۳۔ حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۱۔

۴۔ حیات اعلیٰ حضرت، مولانا ظفر الدین بہاری، مطبوعہ ۲۰۰۳ء، ص ۹۷۔

۵۔ حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ۱۹۸۱ء، ص ۱۹۸۔

۶۔ ایضاً، ص ۱۹۷۔

۷۔ حیات مولانا احمد رضا خاں، ڈاکٹر مسعود احمد، ۱۹۸۱ء، ص ۲۰۰۔

۸۔ ایضاً، ص ۲۰۱۔

۹۔ تدبیر فلاح ونجات واصلاح، مطبوعہ لاہور، ص ۵۔

۱۰۔ القران، سُوْرَۃُ الْاَنْعَام، آیت ۵۷۔

۱۱۔ حیات اعلیٰ حضرت، ڈاکٹر مسعود احمد، ۱۹۸۱ء، ص ۲۰۳۔

۱۲۔ حیات اعلیٰ حضرت، ڈاکٹر مسعود احمد، ۱۹۸۱ء، ص ۲۱۲۔

أهمية الفتاوى الرضوية

الدكتور محمد مهربان باروي

وللفتاوى الرضوية أهمّيّة ملحوظة عند أهل العلم, ومن أهمِّ الأمور التي تُذكر لبيان ذلك، وتوضيحه ما يلي:

(۱) هذا الكتاب ذو أهمّيّة؛ لأنه من أهم كتب الإمام أحمد رضا خان، الذي يمثّل قمَّة إنتاجه وغزارة علمه؛ ولأهمية الكتاب قال العلامة الجليل السيد إسماعيل حافظ كتب الحرم كما جاء في كتابه:«... ثانياً: تفضل علينا سيدنا بعدة أوراق من فتاويه أنموذجة نرجو الله عز شأنه أن يسهل ويقارب لكم الأوقات لإتمامها في أقرب حين، فإنها حريه بأن يعتنى بها, جعلها الله تعالى لكم ذخر اليوم المعاد, والله أقول والحق أقول: أنه لو رآها أبو حنيفة النعمان لأقرت عينه وجعل مؤلفها من جملة الأصحاب, بيد أني متأسف على مافاتنا من تعريب الألفاظ الغير العربية, فيا سيدي أقسم عليك بالله العظيم وأتشمع بحبيبه الكريم أن تفوا فضلكم وإحسانكم علينا وعلي كل نعماني المذهب بتعريبها فما كان منها يسيراً يوضع على الهامش، وما لم يتحمله الهامش يوضع في ورقة ثم تجعل بين الصحيفتين...»[1].

(۲) دقة المؤلف في ذكر أقوال الفقهاء, ونقل نصوصهم الحرفية بأمانة علمية تامة, وحسن اختيار المؤلف لمعلوماته المتنوعة من مصادرها المتخصصة بأمانة علمية متناهية[2].

(۳) تبرز أهمية الكتاب وقيمته العلمية من خلال كثرة الفنون التي يحتوي هذا عليها الكتاب, قسط منه في علم الكلام موضحاً عقيدة أهل السنة والجماعة التي كان عليها النبيﷺ والصحابة والتابعون وما بعدهم الأئمة المجتهدون[3]، وقسط منه في علم التجويد والقراءة[4] والقواعد الفقهية[5] ورسم الإفتاء[6] إضافة إلى ذلك ما فيه من العلوم العقلية[7].

---

(1) الإجازات المتينة لعلماء بكة والمدينة مطبوع مع الرسائل الرضوية: الإمام أحمد رضا خان الهندي البريلوي (١٣٤٠هـ) مكتبة المدينة, سوق خضر القديم, كراتشي, باكستان: ص٥٩: ص٥٨-٥٩.

(2) كما نقل المؤلف الاقتباس في الفتاوى الرضوية في كتاب النكاح قائلا:« وفي الدر المختار وتنوير الأبصار ورد المحتار». ثم ذكر نص الدر المختار مع تنوير الأبصار وفي نهايته فتح القوس الواحد للتمييز بين عبارتهما وابن عابدين, وعند انتهاء عبارة ابن عابدين أشار بانتهاء نصه بـــ ا ه ش). وهكذا فعل مرتين مرتين, وفي نهاية كلام الجميع قال: الكل ملخص. وهذا يدل على أمانته العلمية ومنتهى الدقة في نقل الاقتباس أو معناه عن الفقهاء. ولما كان ينقل المؤلف الاقتباس الحرفي فيأتي في نهايته كلمة(انتهى) فأما عند تصرفه ببعض الشيء ولو كلمة صغيرة أو حذف بعضها فكان يكتب في نهايته(ملتقطاً ملخصاً مختصراً...) وهذا يدل على أمانته العلمية التامة.

(3) كرسالة: أعالي الإفادة في تعزية الهند وبيان الشهادة. ذكرها في كتاب الحظر والإباحة: ٥١١/٢٤. والسوء والعقاب على المسيح الكذاب المعروف بالقاديانية. ذكرها في كتاب السير من الفتاوى الرضوية:٥٧١/١٥. قوارع القهار في الرد على المجسِّمة الفُجَّار. ذكرها في العقائد والكلام من الفتاوى الرضوية:١١٩/٢٩.

(4) كرسالة: نعم الزاد لروم الضاد, للمؤلف. ذكرها في كتاب الصلاة من الفتاوى الرضوية: ٢٨٣/٦؛

(5) كرسالة: حلي النص في أماكن الرخص. ذكرها في كتاب الحظر والإباحة من الفتاوى الرضوية:٢٠١/٢١.

(6) كرسالة: أجلى الإعلام أن الفتوى مطلقاً على قول الإمام. ذكرها قبيل كتاب الصلاة من الفتاوى الرضوية: ٩٥/١.

(7) كرسالة: درء القبح عن درك وقت الصبح. ذكرها في كتاب الصوم من الفتاوى الرضوية: ٦١٧/١٠. وهداية المتعال في حد الاستقبال للمؤلف. ذكرها في كتاب الصلاة من الفتاوى الرضوية:٦٠/٦.

(۴) وتتضح لنا أهمية الكتاب من جهة أخرى بأنه لم يسبق تحقيقه العلمي من قبل فضلاً عن التعريب, والحاجة ماسَّة إلى نشره بين العرب والعجم لتقوم به الحجة، وتتضح به المحجَّة، والله الهادي إلى سواء السبيل.

(۵) وأنه في علم الفقه وهو موضوع مهم جداً لكل مسلم، ولابد له من الإحاطة به.

(۶) وجاء فيه ما حدث بالفعل وسئل المؤلف عنه وعلى هذا لم يذكر المؤلف فيه الافتراضيات إلا نادراً لتفهيم المسألة ونحوه.

(۷) تعليل الأحكام بالقواعد الأصولية والفقهية والضوابط كثيراً ويعتبر المؤلف في ذلك مبتكراً[8].

(۸) ومما يدل على أهمية الكتاب غزارة المراجع التي رجع إليها المؤلف في جمع مادة هذا الكتاب وتدقيقه وتوثيقه[9].

(۹) حقق ودقق وفصل بعض المسائل الفقهية لم يسبق نظيره من قبل عند أسلافنا[10].

---

(8) كقاعدة: وَمَا مِنْ شَيْءٍ خَلَا عَنْ مَقْصُوْده إِلَّا بَطَل. ذكرها الإمام في كتابَ النكاَح من الفتاوى الرَضوِية، وهي قاعدة فقهية عظيمة ولكنني لم أقف على مثل هذه الصياغة المتينة عند أحد إلا ما جاء في كتب بعض الشافعية فهو أقرب, منها ما قال الإمام السبكي: كُلُّ عَقْد تَقَاعَدَ عَنْهُ مَقْصُودَهُ بَطَلَ مِنْ أَصْلِه. الأشباه والنظائر: الإمامُ العلامة تاج الدين عبد الوهابَ بن علي ابن عبد الكافي السبكي(۷۷۱هـ) دار الكتب العلمية, بيروت, ط۱، ۱۴۱۱هـ/۱۹۹۱م, القول في قواعد ربع البيع:۲/۲۸۱. وعبر عنه الإمام السيوطي: «كُلُّ تَصَرُّف تَقَاعَدَ عَنْ تَحْصِيْلِ مَقْصُوده فَهُوَ بَاطلٌ». الأشباه والنظائرَ للسيوطي: جلالَ الدين عَبَد الرحمنَ السيوطي(۹۱۱هـ) دار الكتب العلمية, بيروت, لبنان, القول في العقود, القاعدة الثانية: ص۲۸۵.

(9) كما ذكر المؤلف في باب الجهاز من الفتاوى الرضوية وباللغة العربية:«... وهو مدار ثبوت الملك للموهوب له قطعاً, سواء جعل ركناً كما نص عليه في التحفة وَلُوْلُوَالجية والكافي والكفاية والتبيين والبحر ومجمع الأنهر وَالدُّرِّ المُخَتَارَ وأبي السعود وغيرها منَ كتبَ الكبار, وهو ظاهر الهداية وملتقى الأبحر وغيرهما من الأسفار الغُر أو شرطاً كما نص عليه في المبسوط والمحيط والهندية وغيرها. وأفادَ في البدائع أنه الاستحسان وأن الأوَّلَ قولُ زُفَر, وعلى كلٍ فاتفقَ القولان على أنه لا تملكُ فيها بدون القبول, وهو الذي نص عليه في الخانية وغيرها وقد حققنا المسألة بتوفيق الله تعالى على هامش رد المحتار بما لا مزيد عليه».

هناك عشرات الكتب الهامة التي رجع إليها المؤلف ولكبار علماء الهند وخاصة في الفقه الحنفي لم تصل إلى بلاد العربية, وبعض منها طبعت وبعض منها مازالت بشكل مخطوط, وكثير منها لا نعرف عنها شيئاً إلا ما ورد أسماؤها خلال الفتاوى الرضوية، كالتفسير الأحمدية في آيات الأحكام: أحمد بن أبي سعيد ملا جيون الحنفي(۱۱۳۰هـ) طبع في مكتبة الحقانية، حي جنكي، بشاور، باكستان، روضة الأحباب: جمال الدين الشيرازي (۹۲۶هـ) الفتاوى الحمادية للشيخ أبو الفتح ركن بن حسام الناكوري المتوفى في القرن الحادي عشر, في فقه الحنفي طبع في مطبع اسباتك ليتو كرافک كمبني الهند.

وروضة الأحباب في سير النبي والآل والأصحاب: جمال الدين بن عطاء الله بن فضل الله الشيرازي النيسابوري (۹۲۶هـ) ألفه في مجلدين بالتماس الوزير أمير علي شير بعد الاستشارة مع أستاذه وابن عمه السَّيِّد أصيل الدين عبد الله وهو على ثلاثة مقاصد. جدير بالذكر أن كان المؤلف يملك مكتبة كبيرة جداً حتى كان كبار فقهاء عصره من العالم كلها عموماً وعن شبه القارة خصوصاً كانوا يرسلون الاستفتاء إليه، وعلى سبيل المثال ما استفتى الفقيه الكبير السيد الشيخ المولوي حبيب علي من بلدة أتاوه ثم في نهاية الاستفتاء قال:« علماً أنّني لا أملك مكتبة ضخمة كمكتَبَتك, ولا وُسعة النظر في الكتب الفقهية, وأتشرف بإجابتكَ بأسرع وقت ممكن رحمكم الله». الفتاوى الرضوية, كتاب النكاح, باب المهر, رقم الفتوى ۸:۱۲/۱۳۰ـ۱۳۱.

(10) أقول على سبيل المثال ملخصاً ما ذكر المؤلف في اشتراط الإضافة في كتاب الطلاق من الفتاوى الرضوية وباللغة العربية من صفحة ۵۷۵ وما بعدها حيث قال:

إن الإضافة لا بد منها إما في اللفظ وإما في النية, إذ لا طلاق إلا بالإيقاع, ولا إيقاع إلا بإحداث تعلق الطلاق بالمرأة, وليس ذلك إلا بالإضافة, وهذا ضروري لا شك فيه, إذ لو لاه لزم الطلاق على كل من تلفظ بلفظ طلاق أو طالق ونحوهما, وإن لم يُرد على هذا شيئاً أو لم يُرد طلاق امرأته, وهو باطل قطعاً, فاشتراط الإضافة حق لا مِرية فيه,

نعم, قد توجد الإضافة في اللفظ فلا يحتاج في الحكم إلى النية, وقد لا توجد في اللفظ فيحتاج إلى ظهور النية.
أما وجود الإضافة في اللفظ فهو على ثلاثة أقسام:
الأول: تحققها صريحاً في كلام الزوج, كقوله: أنت طالق أو طلقتك أو هذه أو زينب أو بنت زيد أو أم عمرو أو أخت بكر أوَ امرأتي طالق.
الثاني: تحققها فيه لأجل كونه جواباً كلام تحققتْ فيه, فتحقق في الجواب أيضاً؛ لأن السُّؤَالَ مُعَادٌ فِي الْجَوَابِ.
الثالث: أن لا يشتمل كلامُه على الإضافة, ولا يكونَ خرج مخرج الجواب, لكن يكون اللفظ خصَّه العرفُ بتطليق امرأة, فحيث يطلق يفهم منه إيقاع الطلاق على المرأة.
أما إذا خلا عنها بوجوهها الثلاثة فحينئذ لا بد من وجودها في النية, فإن نوى وقع وإلا لا. هذا فيما بينه وبين ربه تعالى, أما قضاء فتنقسم هذا الصورة إلى قسمين.
الأول: أن توجد ههنا قرينة يستأنس بها على تحقق النية ويكون هو الأظهر في المقام, فحينئذ يحكم بالوقوع ما لم يقل: إني لم أردها, فإن قاله فلا يصدقُ إلا باليمين.
الثاني: أن لا تكون هنا قرينة ذلك, وحينئذ يتوقف الوقوع على إخباره بالنية, فإن أقر وقع وإلا لا, إذ لا سبيل إلى الحكم بالوقوع بالشك.
ونحوه ما ذكر المؤلف في رسالته من الفتاوى الرضوية: نبهُ القومِ أنّ الوضوء من أيِّ نوم. سئل المؤلف في ١٤ محرم الحرام عام ١٣٢٥هــ: ما هو النوم الذي ينتقض به الوضوءِ على قول المعتمد؟ فأجاب المؤلف: النومُ ينقض الوضوءَ بشرطين: زوال المسكة بأن نام على هيئة لا تمنع الاستغراق في النوم وعدم تمكن الوركين, فلا ينقض إذا فقد أحد منهما... ولا ينقض النومُ الوضوءَ في الصور العشرة التالية: بعد ذكر الصور العشرة قال: النوم ينقض الوضوء في الأحوال العشرة التالية فذكر الصور التي ينقض به الوضوء, فناقش الكلام على وجه لم يسبق نظيره من قبل. انظر: الفتاوى الرضوية, كتاب الطهارة, باب الوضوء: ٣٦٤/١. ولأهمية الرسالة عربتها فسيطبع قريباً.
ومثله رسالة لمع الأحكام أن لا وضوء من الزكام. من الفتاوى الرضوية. سئل المؤلف في غرة ذي القعدة عام ١٣٢٤هــ: هل ينتقض الوضوء بالزكام أم لا؟ فأجاب: الحمد لله الذي حمده نور, وذكره طهور, والصلاة والسلام على سيد كل طيب طاهر, وآله وصحبه الأطائب الأطاهر, لا ينتقض الوضوء بالزكام؛ لأن الرطوبات البلغمية طاهرة, ولم يتخلل فيها الدم أو الصديد أصلاً, وقد صرح فقهائنا بأنه لا ينقض الوضوء بقَيء البلغم مهما كان قدره, سواء كان صاعداً من الجوف أوَ نازلاً من الرأس, خلافاً لأبي يوسف في الصاعد من الجوف.... ولا يخفى أهمية الكتاب وغزارة علم المؤلف من قرأ شيئاً منها. انظر: الفتاوى الرضوية, كتاب الطهارة, باب الوضوء: ٢٦٣/١. وكما طبعت الرسالة على حدة في مكتبة أهل السنة بمدينة بريلي بالهند, عرَّبتُ الرسالة المذكورة بحمد الله تعالى وتوفيقه سيصدر قريباً إن شاء الله تعالى.

(١٠) عزوه للآراء والمذاهب الفقهية كان دقيقاً وموفقاً دائماً.
(١١) وتكمن أهميته أيضاً بأن الكتاب يجمع اللغتين منها قرابة النصف أو أكثر منها باللغة العربية والباقي باللغة الأوردوية, ثم تُرجم النصف الذي كان بالعربية إلى الأوردوية حتى أصبح في متناول جميع أهالي شبه القارة الهندية هم نصف مسلمي العالم أجمع, وبالفعل لا يخلو بيت عالم أو طالب علم إلا وفيها الفتاوى الرضوية, أما النصف الآخر بالأوردوية ما لا يفهمونه العرب فأعتبر هذا الجهد (أي: اختياره كرسالة الدكتوراه) خطوة بسيطة إلى هذا النحو أدعو الله تعالى التوفيق.
(١٢) فأخيراً أقول: إن الفتاوى الرضوية ليس كتاب فقهي فحسب بل يحمل في طياته معالم الثقافة الإسلامية في بلاد شبه القارة الهندية, وذلك لما كان يسأله المستفتي لم يكن متقيداً بأي صيغة يسأل وفي أي فن من الفنون يسأل وبأي زمان ومكان يسأل كما هو الحال الآن, فجاء كل هذا التراث مكتوباً بالدقة مع تدوين أسماء المستفتين وبلادهم مفصلاً بدءاً من الحي ثم أقرب اسم مركز البريد أو قسم الشرطة, ثم المديرية ثم المحافظة أو الولاية, ومع ذكر التاريخ والشهر والعام الهجري, ومن خلال هذه الأسئلة والأجوبة نستطيع أن نعرف وضع المسلمين المعيشي والفكري والدعوي والعلمي والثقافي والترفيهي وغيرها في تلك الحقبة بجلي كوضوح الشمس ويمكن الحصول على مئات درجات الدكتوراه في كل فن وموضوع. ومع هذا كله فلم يحظ الكتاب بالعناية العلمية التي يستحقها.

دُور و نزدیک سے

خطوط، ای میلز و پیغامات

❑ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مدیر اعلیٰ ماہنامہ جہانِ رضا، لاہور

مکرمی و محترمی قبلہ سید وجاہت رسول قادری صاحب زید مجدہٗ

مدیر اعلیٰ ماہنامہ معارفِ رضا، کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! آپ کی علالت نے ہم سب نیاز مندوں کو مضطرب و پریشان رکھا۔ اور ہماری دعاؤں کو آپ کی صحت کے لیے وقف رکھا اس علالت کے باوجود آپ نے کسی نہ کسی انداز میں اپنی صحت کے متعلق باخبر رکھا۔ اللہ تعالیٰ ان عوارض سے آپ کو محفوظ رکھے۔

ماہنامہ ''معارفِ رضا'' آپ کی علالت کے باوجود تشریف لاتا رہا اور آپ کے رفقائے قلم و فکر بڑی محنت اور جاں فشانی سے زیورِ طباعت سے نواز کر اپنے قارئین کی تشنہ کامی کا مداوا کرتے رہے۔ اکتوبر کا معارفِ رضا میرے مطالعے میں رہا۔ یہ اپنے دامن میں بے شمار علمی اور تحقیقی مقالات لے کر آیا ہے۔ ہر مقالہ خوبصورت، ہر مضمون دلکش اور ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است کا مظہر ہے۔

پروفیسر دلاور خاں کا اداریہ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ''عاشق رسول'' ڈاکٹر اوج کا مقالہ اور اس پر پروفیسر دلاور خاں کے تاثرات جیسے مضامین پسند آئے۔ مجھے خاص طور پر ڈاکٹر محمد حسن امام صاحب کا مضمون ''اعلیٰ حضرت اور برصغیر کی سیاسی تحریکات'' بڑا پسند آیا۔ اس میں تحریکات کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر حسن امام نے بعض شخصیات کا تذکرہ کیا ہے، جو اعلیٰ حضرت کے زیرِ سایہ کام کرتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر امجد رضا امجد نے اعلیٰ حضرت کے شاگردِ رشید اور خلیفہ مجاز سید عبدالرحمٰن رضوی کا تعارف کرایا ہے پھر مولانا ملک العلماء علامہ ظفر الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے نامور فرزند پروفیسر مختار الدین احمد آرزؔو صر نے آج سے دس سال قبل مجھے ''مشرق اور سمتِ قبلہ'' بھیجا تھا تاکہ اسے ''جہانِ رضا'' میں شائع کیا جائے، مگر میں اسے کتابی انداز میں لانا چاہتا تھا جسے نہ لا سکا۔ مجلہ معارف رضا نے اس تاریخی مضمون کو شائع کر کے اپنے قارئین پر احسان فرمایا ہے۔ آج کا قاری شاید دل چسپی نہ لے سکے، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ ایک تاریخی تحریر ہے جس کی بڑی اہمیت ہے۔

ڈاکٹر محمد حسن امام صاحب کا مضمون ایک منفرد انداز رکھتا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے برصغیر کی سیاسی تحریکات کے ضمن میں ایسی شخصیات کا ذکر بھی کر دیا ہے جو فاضل بریلوی کی نگرانی میں کام کرتی رہیں۔ ہمارے نوجوان علمائے کرام اپنے اسلاف کے علمی و سیاسی کارناموں کو پڑھ کر یقیناً خوش ہوں گے اور بڑے علمائے کرام ان حضرات کو اپنی یادوں کے خیابانوں میں دیکھیں گے۔ یہ ایک صدی کے علمائے کرام ہیں جن کے کارنامے سارے برصغیر پاک و ہند میں چھائے ہوئے ہیں۔ کاش آج کے علمائے کرام اپنے اسلاف کے نشانِ پا کو نشانِ راہ بنائیں۔

کنز الایمان اور ڈاکٹر اوج کے مقالے پر پروفیسر دلاور خاں نے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ایک علمی ریسرچ ہے۔ میرا خیال ہے یہ مشکل مقالہ ہے۔ تاہم اہلِ علم حضرات کے لیے ایک مہکتا ہوا پھول ہے۔ پروفیسر دلاور خاں کو میری طرف سے ہدیۂ تحسین پیش کریں۔

آخر میں مجھے اجازت دیں کہ میں معارفِ رضا کی ان خدمات کو ہدیۂ تحسین پیش کروں جسے وہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے افکار و تعلیمات کو اپنے صفحات پر پھیلا کر دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچا رہا ہے۔ پاکستان میں یہ واحد رسالہ ہے جو اعلیٰ حضرت کی اعتقادی تحریروں کو لوگوں تک پہنچا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ معارفِ رضا کو زندہ و تابندہ رکھے۔

مجھے آپ کی علالت پر فکر مندی ہے، اللہ کی بارگاہ میں سر بہ سجود ہو کر آپ کی صحتِ کاملہ کے لیے دعا گو ہوں۔

❑ پروفیسر حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری، رائے ونڈ روڈ، لاہور

محترمی و مکرمی حضرت صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری رضوی صاحب، صدرِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا و مدیر اعلیٰ ماہنامہ معارفِ رضا، کراچی۔

سلامِ مسنون، مزاجِ گرامی!

سب سے پہلے تو راقم الحروف آپ کو طویل بیماری کے بعد صحت یابی پر مبارک باد پیش کرتا ہے۔ الحمد للہ پوری دنیا میں محبانِ رضا آپ کی صحت یابی پر سجدۂ شکر ادا کررہے ہیں۔ حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دربارِ اقدس میں اور مرکزِ اہلِ سنّت زینت المساجد گوجرانوالہ میں آپ کے لیے بہت دعائیں ہوئیں اور ہورہی ہیں کہ اللہ پاک آپ کو عمرِ خضر بصحت وعافیت عنایت فرمائے۔

اکتوبر کا "معارفِ رضا" موصول ہوا۔ تمام مضامین نہایت اعلیٰ ہیں۔ بالخصوص پروفیسر دلاور خاں صاحب کا اداریہ "پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا" بہت خوب ہے۔ اداریہ کے آخر میں تحفظِ ناموسِ رسالت کے لیے جو تجاویز دی گئی ہیں وہ بہت توجہ سے پڑھنے اور عمل کرنے کے قابل ہیں۔ بالخصوص پہلی، دوسری، آٹھویں اور گیارھویں تجاویز نہایت اہم ہیں۔

پروفیسر دلاور خاں کا ہی لکھا ہوا مقالہ "کنزالایمان اور ڈاکٹر اوج کا مقالہ" کی تیسری قسط لائقِ تحسین آفرین ہے۔ ڈاکٹر اوج کا اپنے سپروائزر کو مجتہد مطلق قرار دینا حیرت انگیز اور لائق افسوس ہے۔ ڈاکٹر اوج نے "آپ" کے استعمال کے لحاظ سے جن تراجم کو بہترین قرار دینے کی عمارت کھڑی کی تھی وہ صفحہ ۱۱ ر پر پروفیسر دلاور خاں کی اس ایک عبارت نے دھڑام سے گرادی: "یہاں یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ مترجمین کے مخاطب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہے"۔ یونہی صفحہ ۱۴ ر پر پروفیسر دلاور صاحب نے ڈاکٹر اوج کے فکری تضاد کی جھلک نہایت احسن انداز سے دکھائی ہے۔ اس مقالے کی اگلی اقساط کا انتظار ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد حسن امام کے مقالے "مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی اور برصغیر کی سیاسی تحریکات" کی یہ کونسی قسط ہے؟ یہ ظاہر نہیں؛ البتہ ان کا مقالہ فاضل بریلوی کے خلفائے کرام کی سیاسی خدمات کے حوالے سے اچھا جارہا ہے۔ صفحہ ۱۸ ر پر فقیہِ اعظم ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی علیہ الرحمۃ کے حالات میں "جو یہ لکھا ہے کہ اپنے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے انتقال پر قطعۂ تاریخ کہا"۔ وہ قطعۂ تاریخ وصالِ اعلیٰ حضرت کا نہیں ہے، بلکہ حضرت خواجہ حافظ عبد الکریم علیہ الرحمۃ کا ہے، جو کہ چوتھے شعر اور آخر میں ۱۳۵۵ھ سنِ وصال سے ظاہر ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کا سنِ وصال ۱۳۴۰ھ ہے۔ یونہی فقیہِ اعظم کے فرزند ارجمند کی کنیت "ابو انور" نہیں بلکہ "ابو النور" ہے اور آپ کے جاری کردہ رسالے کا نام "شاہِ طیبہ" نہیں، بلکہ "ماہِ طیبہ" ہے، صفحہ ۲۰ ر پر ڈاکٹر حسن امام نے مولانا ضیاء الدین احمد مدنی علیہ الرحمۃ کا دہلی جاکر حضرت وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ سے دورۂ حدیث کرنے کا ذکر کیا ہے۔ درست یہ ہے کہ حضرت مولانا ضیاء الدین علیہ الرحمۃ نے حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ سے پیلی بھیت میں دورۂ حدیث شریف کیا تھا۔

ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری کا مقالہ "مشرقی اور سمتِ قبلہ" خاصے کی چیز ہے۔ ملک العلما نے نہایت مہارت سے مشرقی کی ریاضی دانی کا بھانڈا عین چوراہے پر پھوڑا ہے؛ جبکہ اس سے قبل مشرقی کی علمِ دین میں بے بضاعتی اور عقائد کی خرابی کو محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قادری چشتی علیہ الرحمۃ کی کتاب "تبصرۂ مذہبی بر تذکرۂ مشرقی" نے ظاہر کردیا تھا۔ دروغ گورا حافظہ نباشد کے مصداق مشرقی اپنے ہی قائم کردہ اصولوں کو خود ہی غلط قرار دیتا ہے۔ مولانا ظفر الدین بہاری نے اس کی اس خامی پر بڑی خوبی کے ساتھ گرفت کی ہے۔ اس مضمون سے پتا چلتا ہے کہ مولانا ظفر الدین بہاری نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ریاضی دانی سے خوب فیض پایا ہے۔

آخر میں تمام اراکینِ ادارہ بالخصوص ڈاکٹر مجید اللہ قادری، پروفیسر دلاور خاں، جناب محمد عبید الرحمان، سید ریاست رسول قادری، حاجی عبد اللطیف قادری، جناب ندیم احمد نورانی صاحبان کو سلام، آپ کے صاحبزادگان اور اہلیۂ محترمہ کو سلام اور آپ کی پوتیوں کو سلام وپیار۔

[ادارتی نوٹ: مکرمی حافظ عطا الرحمٰن صاحب نے ڈاکٹر حسن امام کے مقالے کے سلسلے میں جن نکات کو بیان کیا ہے اس کے لیے ادارہ ان کا شکر گزار ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ معارفِ رضا کے متعلقہ نسخوں میں تصحیح فرمالیں۔]

❑ محمد وسیم رضا، چیف ایڈیٹر فکرِ رضا، لاہور

جناب محترم ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کا خادم محمد وسیم آپ کی خدمتِ عالیہ میں شرفِ ملاقات کے لیے حاضر ہوا، لیکن کراچی کے حالات کی وجہ سے دفتر کھلا نہ مل سکا۔ دوسرے یہ کہ جناب سید وجاہت رسول صاحب مدظلہ کی طبیعت دریافت کرنا تھی۔ اس باریومِ رضا پر ادارے کی جانب سے نوائے وقت اور جنگ کے خصوصی ایڈیشن دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور عربی فتاویٰ رضویہ کی اشاعت بھی قابلِ قدر ہے۔

خبر نامۂ رضویات

❑ دعوت برائے مقالہ نگاری

سالنامہ معارف رضا ۲۰۱۳ء (اُردو) میں اشاعت کے لیے مقالات ۳۰/ اپریل ۲۰۱۳ء تک ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے دفتر میں بذریعہ ڈاک یا کوریئر جمع کرائے جاسکتے ہیں۔ مقالات بذریعہ ای میل imamahmadraza@gmail.com پر بھی بھیج سکتے ہیں۔ مقالہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کے معیار کے مطابق ہو۔ مقالہ نگاروں کے لیے ہدایات معارف رضا کے آخری صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

❑ دعوت برائے رضا ہائر ایجوکیشن پروجیکٹ

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا یونیورسٹی، کالجز اور مدارس کے اساتذہ، اسکالرز اور طلبا و طالبات کو امام احمد رضا اور متعلقاتِ رضا کے مختلف عنوانات پر تحقیق کی دعوت دیتا ہے۔ موضوع کے انتخاب سے مقالے کی تکمیل تک ادارے کی طرف سے راہ نمائی اور مواد کی نشاندہی کی سہولت موجود ہے۔ خواہش مند افراد ادارۂ تحقیقات کے دفتر سے بذریعہ فون، ای میل یا ویب سائٹ رابطہ کریں۔

❑ ماہنامہ معارفِ رضا کے گزشتہ شماروں کی دستیابی

گزشتہ ۱۳ سالوں میں شائع ہونے والے ماہنامہ معارف رضا کے انفرادی شمارے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا سے دستیاب ہیں۔ ہدیہ مع عام ڈاک خرچ ۳۰ روپے فی شمارہ منی آرڈر کریں۔ دستیاب شماروں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

- ۲۰۰۰ء شمارہ جنوری، فروری، مارچ، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر
- ۲۰۰۱ء شمارہ جنوری، اپریل، جون، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
- ۲۰۰۲ء شمارہ جنوری، جون اور دسمبر
- ۲۰۰۳ء شمارہ نومبر اور دسمبر
- ۲۰۰۴ء شمارہ فروری، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
- ۲۰۰۵ء جنوری، فروری، (مارچ، اپریل، مئی مشمولہ سالنامہ)، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
- ۲۰۰۶ء جون، جولائی، اگست اور ستمبر
- ۲۰۰۷ء شمارہ مئی، اگست اور دسمبر؛ ۲۰۰۸ء شمارہ جون
- ۲۰۰۹ء شمارہ جولائی، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
- ۲۰۱۰ء شمارہ مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر
- ۲۰۱۱ء شمارہ فروری، مارچ، اپریل، جون، جولائی، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر
- ۲۰۱۲ء جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
- ۲۰۱۳ء جنوری

❑ ماہنامہ معارف رضا سال کی مکمل فائل

سال ۲۰۱۱ء کے تمام ۱۲ شماروں پر مشتمل فائل محدود تعداد میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا سے دستیاب ہیں۔ ہدیہ مجلد ۶۰۰ روپے مع رجسٹرڈ ڈاک خرچ۔
سال ۲۰۱۲ء کے تمام ۱۲ شماروں پر مشتمل فائل بھی اب ادارے سے دستیاب ہیں۔ ہدیہ غیر مجلد ۵۰۰ روپے، مجلد ۶۰۰ روپے مع رجسٹرڈ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر روانہ کریں۔

❑ امام احمد رضا ڈاٹ نیٹ www.imamahmadraza.net

گزشتہ ماہ پاکستان، انڈیا، امریکا، سعودی عرب، انگلینڈ، متحدہ عرب امارات، بنگلہ دیش، جرمنی، عمان، قطر، آسٹریلیا، کینیڈا، چین، ماریشس، نائجیریا، ہالینڈ، ایران، کویت، سری لنکا، ناروے، سرینام، بحرین، فرانس، انڈونیشیا، اٹلی، لیگزمبرگ، ملائیشیا، نیپال، یوگینڈا اور جنوبی افریقہ، وغیرہ ممالک کے ۱۲۹ سے زائد شہروں سے ایک بڑی تعداد میں قارئین نے ادارے کی سائٹ www.imamahmadraza.net ملاحظہ کی۔

❑ رضویات کے حوالے سے جرائد و رسائل میں شائع ہونے والے مضامین و مقالات

(۱) محمد باغ علی رضوی: ''تاج دارِ بریلی اعلیٰ حضرت امام الشاہ احمد رضا بریلوی''، ماہ نامہ پیغامِ اہلِ سنّت، فیصل آباد، صفر المظفّر ۱۴۳۴ھ، ص ۱۷ تا ۲۴۔
(۲) پروفیسر محمد اکرم رضا: ''افکارِ رضا میں حُبِّ رسول کا رنگ و آہنگ''، ماہ نامہ جہانِ رضا، لاہور، نومبر / دسمبر ۲۰۱۲ء، ص ۲۴ تا ۹۳۔

(۳) ابو الہام محمد اشتیاق فاروقی مجددی: ''امام مجدد اعلیٰ حضرت اور جدید علوم''، ماہ نامہ جامِ کوثر، مردان، جنوری تا مارچ ۲۰۱۳ء، ص ۲۶ تا ۳۶۔
(۴) مولانا محمد آفتاب عالم مصباحی: ''امام احمد رضا کا دس نکاتی پروگرام''، ماہ نامہ مصلح الدین، کراچی، صفر المظفر ۱۴۳۴ھ، ص ۳۰ تا ۳۶۔
(۵) علامہ محمد حسن علی رضوی میلسی: ''علم کا سمندر (سیّدنا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی انفرادی وامتیازی خصوصیات)''، ماہ نامہ مصلح الدین، کراچی، صفر المظفّر ۱۴۳۴ھ، ص ۳۸ تا ۴۷؛ نیز ماہ نامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانولہ، دسمبر ۲۰۱۲ء، ص ۱۶ تا ۲۱۔
(۶) پروفیسر سیّد عبدالرحمٰن بخاری: ''کاروانِ عشق کا سالار۔۔۔امام احمد رضا''، ماہ نامہ نور الحبیب، بصیرپور، اوکاڑہ، دسمبر ۲۰۱۲ء، ص ۶۹ تا ۷۵۔
(۷) محمد حنیف طیب: ''مولانا احمد رضا خاں بریلوی جن پر فقاہت اور سیاسی بصیرت ختم تھی''، ماہ نامہ الہام، بہاولپور، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۹ تا ۱۰۔
(۸) مولانا محمد فیاض احمد اویسی: ''مجددِ دین وملّت امام احمد رضا خاں''، ماہ نامہ فیضِ عالم، بہاولپور، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۱۸ تا ۱۹۔
(۹) محمد افضل سعید: ''امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ''، ماہ نامہ راہ نمائے خواتین، فیصل آباد، دسمبر ۲۰۱۲ء، ص ۲۶ تا ۲۸۔
(۱۰) مولانا اختر الحامدی: ''کلامِ رضا اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم''، ماہ نامہ اہلِ سنّت، گجرات، (پہلی قسط) دسمبر ۲۰۱۲ء، ص ۲۱ تا ۲۴؛ (آخری قسط) جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۳۳ تا ۳۵۔
(۱۱) ڈاکٹر محمد یونس قادری: ''افکارِ شیخ محدث دہلوی ومحدث بریلوی۔ ایک جائزہ''، ماہ نامہ کنز الایمان، دہلی (انڈیا)، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۳۵ تا ۴۲۔
(۱۲) نازاں فیضی گیلوی: ''سوادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت''، ماہ نامہ کنز الایمان، دہلی (انڈیا)، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۴۳ تا ۴۵۔
(۱۳) مولانا رفیق احمد کولاری: ''خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ شہاب الدین احمد کویا شالیاتی ملباری''، ماہ نامہ کنز الایمان، دہلی، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۴۶ تا ۴۹۔
(۱۴) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ انجم قادری: ''اسلامی مدارس اور افکارِ رضا''، ماہ نامہ کنز الایمان، دہلی (انڈیا)، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۵۲ تا ۵۶۔
(۱۵) علامہ پیر سیّد محمد فاروق القادری: ''فاضل بریلوی اور اُمورِ بدعت''، (قسط نمبر ۴۲) ماہ نامہ آوازِ حق، پشاور، دسمبر ۲۰۱۲ء، ص ۴ تا ۵۔
(۱۶) علامہ پیر محمد چشتی: ''مدارج العرفان فی مناھج کنز الایمان''، (قسط نمبر ۴۸)، ماہ نامہ آوازِ حق، پشاور، دسمبر ۲۰۱۲ء، ص ۲۲ تا ۳۹۔
(۱۷) نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ سبحان رضا خاں سبحانی میاں: ''امام احمد رضا فاضل بریلوی کی حیات وخدمات'' (اداریہ)، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی (انڈیا)، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۵ تا ۷۔
(۱۸) مفتی اختر حسین قادری علیمی: ''خانوادۂ اعلیٰ حضرت کی فقہی خدمات''، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی (انڈیا)، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۱۰ تا ۱۳۔
(۱۹) امینِ ملّت ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری برکاتی مارہروی: ''امام احمد رضا کا علمی مرتبہ''، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۱۴ تا ۱۷۔
(۲۰) علامہ محمد احمد مصباحی: ''امام احمد رضا کا تقویٰ''، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی (انڈیا)، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۱۸ تا ۲۱۔
(۲۱) مفتی محمد سلیم بریلوی: ''سارے جہاں میں دھوم ہمارے رضا کی ہے''، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی (انڈیا)، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۲۲ تا ۲۷۔
(۲۲) قاری عبدالرحمٰن خاں قادری بریلوی: ''مفتیِ اعظم بحیثیت مرشدِ اعظم''، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی (انڈیا)، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۲۸ تا ۳۲۔
(۲۳) مولانا محمد نفیس احمد مصباحی: ''امام احمد رضا قادری کا قدرتِ الٰہی واحادیثِ نبوی پر ایمان ویقین''، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی (انڈیا)، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۳۴ تا ۳۷۔
(۲۴) ڈاکٹر محمد حسن قادری بریلوی: ''خاتم المحققین مفتی نقی علی خاں کے دینی وملّی کارنامے''، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۳۸ تا ۳۹
(۲۵) مولانا محمد ظہور الاسلام نازش القادری: ''خانقاہِ رضا وخانوادۂ رضا کا مختصر تعارف''، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی (انڈیا)، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۴۰ تا ۴۱
(۲۶) مولانا ارشد شمسی: ''امام احمد رضا کی شاعری خلفائے راشدین کے حوالے سے''، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی (انڈیا)، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۴۲ تا ۴۵۔
(۲۷) مفتی محمد بدر عالم مصباحی: ''امام احمد رضا اور علمِ توقیت وہیئت''، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی (انڈیا)، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۵۱ تا ۵۴۔
(۲۸) مولانا محمد عمران رضا سنبھلی: امام احمد رضا کا مذہبی وسیاسی نقطۂ نظر''، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی (انڈیا)، جنوری ۲۰۱۳ء، ص ۵۵ تا ۶۰۔
29. Dr. Maulana Muhammad Fazlur-Rahman Ansari: "His Eminence Muhammad Abdul Aleem Siddiqui Qadiri A Pioneer World Missionary", The Monthly Minaret, November 2012, pp8 to 12.

کتبِ نو و رسائل

❑ لائبریری ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا میں موصول ہونے والے جرائد

آستانہ کراچی، ستمبر ،اکتوبر ۲۰۱۲ء؛ آوازِ حق پشاور، دسمبر ۲۰۱۲ء؛ آہنگ کراچی، دسمبر ۲۰۱۲ء؛ اسالیب سر گودھا، نومبر ۲۰۱۲ء تا جنوری ۲۰۱۳ء؛ اعلیٰ حضرت بریلی، جنوری ۲۰۱۳ء؛ اُفق کراچی، دسمبر ۲۰۱۲ء، نیز جنوری ۲۰۱۳ء؛ الاشرف کراچی، دسمبر ۲۰۱۲ء نیز جنوری ۲۰۱۳ء؛ پندرہ روزہ الحسن، پشاور، یکم تا ۳۰/ نومبر ۲۰۱۲ء؛ الحقیقہ پاکستان (شکر گڑھ)، دسمبر ۲۰۱۲ء، نیز جنوری ۲۰۱۳ء؛ السعید ملتان، محرم الحرام ۱۴۳۴ھ / نومبر ۲۰۱۲ء؛ سہ ماہی العلم کراچی، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۲ء؛ المظہر کراچی، مارچ ۲۰۱۲ء (مسعودِ ملّت نمبر)، نیز اپریل، ۲۰۱۲ء، اگست ۲۰۱۲ء، دسمبر ۲۰۱۲ء، جنوری، ۲۰۱۳ء (امامِ ربّانی نمبر)؛ الملنگیہ اوکاڑہ، دسمبر ۲۰۱۲ء؛ سہ ماہی خبر نامہ النشاطات، شیخ زاید اسلامک سینٹر، کراچی، شمارہ ہشتم، دسمبر ۲۰۱۲ء؛ النّظامیہ لاہور، نومبر ۲۰۱۲ء، نیز دسمبر ۲۰۱۲ء؛ الہام بہاولپور، دسمبر ۲۰۱۲ء، نیز جنوری ۲۰۱۳ء؛ اہلِ سنّت گجرات، دسمبر ۲۰۱۲ء، نیز جنوری ۲۰۱۳ء؛ پیغامِ اہلِ سنّت فیصل آباد، صفر المظفّر، ۱۴۳۴ھ؛ جامِ کوثر مردان، جنوری تا مارچ ۲۰۱۳ء (شمارۂ دوم)؛ جہانِ رضا لاہور، نومبر / دسمبر ۲۰۱۲ء؛ خبر نامۂ ہمدرد کراچی، نومبر ۲۰۱۲ء، نیز دسمبر ۲۰۱۲ء؛ راہ نمائے خواتین فیصل آباد، دسمبر ۲۰۱۲ء؛ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ، دسمبر ۲۰۱۲ء؛ سوئے حجاز لاہور، نومبر ۲۰۱۲ء، نیز دسمبر ۲۰۱۲ء؛ کاروانِ قمر کراچی، دسمبر ۲۰۱۲ء؛ عرفات لاہور، نومبر / دسمبر ۲۰۱۲ء؛ عقیدت حیدرآباد، نومبر ۲۰۱۲ء، نیز محرم الحرام (شہیدِ اعظم نمبر)، نیز دسمبر ۲۰۱۲ء؛ فکرِ رضا (پندرہ روزہ اخبار)، لاہور، یکم تا ۱۵/ نومبر ۲۰۱۲ء، ۱۶/ تا ۳۰ نومبر ۲۰۱۲ء، نیز یکم تا ۱۵/ دسمبر ۲۰۱۲ء، ۱۶ تا ۳۱/ دسمبر ۲۰۱۲ء، یکم تا ۱۵/ جنوری ۲۰۱۳ء؛ فیضِ عالم بہاولپور، دسمبر ۲۰۱۲ء، نیز جنوری ۲۰۱۳ء؛ کنز الایمان دہلی (انڈیا)، جنوری ۲۰۱۳ء؛ محدّث لاہور، ستمبر ۲۰۱۲ء، نیز نومبر ۲۰۱۲ء؛ مصطفائی نیوز کراچی، دسمبر ۲۰۱۲ء؛ مصلح الدین کراچی، صفر المظفّر، ۱۴۳۴ھ؛ نور الحبیب بصیر پور، اوکاڑہ، دسمبر ۲۰۱۲ء، نیز جنوری ۲۰۱۳ء۔
The Minaret, Karachi, November 2012, December 2012, January 2013.

❑ لائبریری ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا میں موصول ہونے والی کتبِ نو

نمبر	کتاب کا نام	مصنف / مرتب / مترجم	صفحات	ناشر
۱	سیرتِ پاک اعلیٰ حضرت بریلوی	پیر سید ارتضا علی کرمانی	۲۰۸	عظیم اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور
۲	صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور، ۱۸۸۷ء تا ۱۹۸۷ء	علامہ پیر زادہ اقبال احمد فاروقی	۳۲۰	مکتبۂ نبویہ، لاہور
۳	کلّیاتِ راقم	مشتاق حسین راقم صدیقی	۴۰۴	مجاہد حسین مجاہد، صدر، کراچی
۴	فیوضاتِ محمد	خواجہ اظہار الحق مسعود شاہ	۳۲۰	ملنگیہ پبلی کیشنز، اوکاڑہ
۵	بزبانِ حکایت	علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ	۳۲	ادارۂ نعمانیہ، لاہور
۶	علاماتِ قیامت اور طلاق	مفتی ظہور احمد جلالی	۱۶	ادارۂ نعمانیہ، لاہور
۷	شانِ رسالت و اہلِ بیت میں ابنِ تیمیہ کی گستاخیاں	ڈاکٹر سید محمود سید صبیح	۹۲۵	برکاتِ رضا، پوربندر، گجرات، انڈیا
۸	تحریفات	فضل اللہ صابری چشتی	۲۰۸	مکتبۂ غوثیہ، کراچی

مکتبۂ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

نام کتاب	صفحات	قیمت (روپے)
سفینۂ بخشش (نعتیہ دیوان، پاکٹ سائز)	۲۱۷	۷۰
الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (اردو ترجمہ)	۲۴۶	۲۰۰
جمل مجلیۃ (از امام احمد رضا)	۵۷	۴۰
الاستمداد (مع شرح از مفتی اعظم ہند)	۹۶	۱۵۰
انوار المنان فی توحید القرآن (از اعلیٰ حضرت)	۷۷	۶۰
المبین (از مولانا سید سلیمان اشرف)	۲۶۴	۲۲۰
البلاغ (از مولانا سید سلیمان اشرف)	۷۵	۱۵۰
اصل مسئلہ معاشی ہے	۱۸۱	۲۲۵
مکتوباتِ غوثیہ	۱۷۲	۵۲۵
ترجمہ کنزالایمان کالسانی جائزہ (از صابر سنبھلی)	۳۰۸	۲۷۵
حاشیہ فتاویٰ ہندیہ (از امام احمد رضا)	۸۴	۲۰۰
فاضل بریلوی کا سیاسی کردار	۱۵۶	۱۰۰
بدیع الرضافی مدح المصطفیٰ (از امجد رازی)	۳۳۳	۵۰۰
انوارِ کنزالایمان	۹۴۲	۵۰۰
انوارِ رضا (طارق سلطان پوری نمبر)	۴۴۸	۳۶۰
The Preamble to Faith (ترجمہ تمہید ایمان)	121	۱۰۰
جامع الاحادیث (جلد ۷ تا ۱۰)	-	
قرآنِ کریم (کنزالایمان معہ خزائن العرفان)	-	
جد الممتار (از امام احمد رضا) (جلد اوّل، دوم)	-	۵۰۰ (فی جلد)
شواہد الحق (از علامہ النبہانی)	۴۲۸	۶۰۰
سعادۃ الدارین (از علامہ النبہانی)		۵۰۰
تفسیر کمالین ترجمہ تفسیر جلالین		
فتاویٰ ملک العلما (از علامہ ظفر الدین رضوی)	۵۱۲	
فتاویٰ اجملیہ (از مفتی اجمل سنبھلی) (جلد اوّل)	۳۵۳	

نام کتاب	صفحات	قیمت (روپے)
احکام القرآن (جلال الدین قادری، جلد ۱ تا ۵)	-	
اسلام اور جدید سائنس نئے تناظر میں	۴۶۴	
عقیدۂ ختم النبوۃ (از مفتی محمد امین) جلد ۸ تا ۱۳		۲۰۰
حدائقِ بخشش (از امام احمد رضا) دو حصے	۲۲۸	
امجد الاحادیث (مفتی ابوالحسن مصباحی) (حصہ اوّل)	۶۴۰	
زادِ راہِ بخشش (از ابراہیم خوشتر)	۱۳۲	۱۵۰
امام احمد رضاءسند جاعالم (بزبانِ سندھی)	۷۷	
الشیخ احمد رضا خاں البریلوی (بزبانِ عربی)	۱۲۸	
اسوۂ حسنہ کے چراغ (سید وجاہت رسول)	۶۴	
دودھ کے رشتے (از امام احمد رضا)	۴۰	۴۰
جلی الصوت لنھی الدعوۃ امام الموت از اعلیٰ حضرت	۱۲	۲۰
امن واخوت کے عظیم داعی (وجاہت رسول)	۳۸	۴۰
عرفان شریعت (از اعلیٰ حضرت)	۹۶	
بچوں اور بچیوں کے اسلامی نام (از اعلیٰ حضرت)	۳۶	
حقوق العباد کیسے معاف ہوں (از اعلیٰ حضرت)	۴۷	
راہِ خدا میں خرچ کرنے کے فضائل (اعلیٰ حضرت)	۴۰	
روح اسلام (از ڈاکٹر مسعود احمد)	۶۴	
رواداری قرآن وحدیث اور تاریخ کی روشنی میں	۲۴	
اعلیٰ حضرت پر مشاہیر کے تاثرات	۹۶	
برکات الامداد لاھل الاستمداد (اعلیٰ حضرت)	۲۰	
مجموعہ وظائف مع الوظیفۃ الکریمہ (اعلیٰ حضرت)	۳۱۲	
خطباتِ رضویہ (از اعلیٰ حضرت)	۳۲	
داڑھی کے فضائل (از اعلیٰ حضرت)	۵۲	
اراءۃ الادب لفاضل النسب (از اعلیٰ حضرت)	۳۹	

مطبوعاتِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

نام کتاب	صفحات	قیمت (روپے)
سالنامہ معارفِ رضا (اردو) ۲۰۰۵ء	۳۸۰	۲۰۰
سالنامہ معارفِ رضا (اردو) ۲۰۰۶ء	۲۵۵	۱۵۰
سالنامہ معارفِ رضا (اردو) ۲۰۰۷ء	۲۹۰	۱۸۰
سالنامہ معارفِ رضا (اردو) ۲۰۰۹ء	۳۸۰	۲۵۰
سالنامہ معارفِ رضا (اردو) ۲۰۱۰ء	۳۹۰	۳۵۰
سالنامہ معارفِ رضا (اردو) ۲۰۱۱ء	۱۵۴	۲۰۰
معارفِ رضا سالنامہ (عربی) ۲۰۰۵ء	۲۳۰	۱۵۰
معارفِ رضا سالنامہ (عربی) ۲۰۰۷ء	۸۸	۱۵۰
معارفِ رضا سالنامہ (عربی) ۲۰۰۸ء	۱۶۰	۱۵۰
Maarif-e-Raza 2009 (English)	۱۴۴	۱۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۵ء	۷۲	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۷ء	۹۸	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۸ء	۹۶	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۱۰ء	۴۰	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۱۱ء	۴۰	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۱۲ء	۴۰	۵۰
نزولِ آیاتِ فرقان۔ و۔ معین مبین	۱۰۴	۶۰
مولانا نقی علی خاں (پی ایچ ڈی مقالہ)	۲۲۵	۱۶۰
مکتوباتِ مسعودی (خطوط ڈاکٹر محمد مسعود احمد)	۵۹۸	۴۰۰
تذکرۂ اراکینِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا	۱۸۴	۸۰
۲۵ سالہ تاریخ وکارکردگی ادارہ	۵۶	۲۵
مختصر تعارف، مطبوعات وکارکردگی ادارہ	۵۶	۲۵
خلفائے محدثِ بریلوی	۱۵۶	۱۰۰
امام احمد رضا کی انشاپردازی (پی ایچ ڈی مقالہ)	۱۳۶	۱۰۰

نام کتاب	صفحات	قیمت (روپے)
ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا۔ ایک تعارف	۵۶	۴۰
اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور علمائے کوٹلی	۶۴	۶۰
جدید طریقۂ نعت خوانی تعلیماتِ رضا کی روشنی میں	۱۶	۲۰
اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ	۸۰	۵۰
اشاریۂ سالنامہ معارفِ رضا۔ ۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۶ء	۶۴	۱۰۰
رضویات۔ نئے تحقیقی تناظر میں	۱۶۰	۱۵۰
اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی (پی ایچ ڈی مقالہ)	۶۸۰	۴۰۰
دو مجدد اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۹۶	۶۰
لال قلعہ سے لال مسجد تک	۶۴	۵۰
تعلیمی افکارِ رضا پر تحقیق	۱۲۴	۱۵۰
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد بلوچستان میں	۶۴	۵۰
امام احمد رضا اور علم صوتیات	۶۴	۵۰
الامام أحمد رضا خان وأثره في الفقه الحنفي	۴۰۰	۵۰۰
النثر الفني	۱۶۵	۲۵۰
ثلاث رسائل في التكافل الاجتماع	۱۵۰	۱۵۰
حياة الامام أحمد رضا	۵۵	۷۰
Embryology	۵۵	۴۸
Hussam-ul-Haramain	۱۵۵	۱۰۰
حاشیہ جامع الافکار (از امام احمد رضا)		۴۰
تاج توقیت (از امام احمد رضا)		
امام احمد رضا بڑیچ افغانی (بزبان پشتو)		۲۰
الزبدة الزكية في تحريم سجود التحية (عربی)	۱۶۰	۱۰۰
قبلہ نما (از امام احمد رضا)	۳۲۰	۲۰۰
امام احمد رضا ڈیجیٹیل لائبریری	۳ سی ڈیز	۱۵۰